شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ

آداب المریدین

آٹھ صدی سے مشائخ صوفیہ کا دستور العمل

یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ

تصوف فاؤنڈیشن
۱۴۱۹ھ

آٹھ صدی سے مشائخ صوفیہؒ کا دستور العمل

مصنّف

شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردیؒ

۴۹۰ھ ——— ۵۶۳ھ

مترجم

محمد عبد الباسط

بسعی و اہتمام

ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی، بانی تصوف فاؤنڈیشن

○

تصوّف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

۳۴۹ - این سمن آباد - لاہور - پاکستان

کلاسیک کُتب تصوّف ؛ سلسلۂ اُردو تراجم

جُملہ حقوق بحق تصوّف فاؤنڈیشن محفوظ ہیں © ۱۹۹۸ء

ناشر : ابونجیب حاجی محمّد ارشد قریشی
بانی تصوّف فاؤنڈیشن - لاہور

تعاون : کرنل (ر) راجہ محمّد یوسف قادری
بانی شانِ ولایت ٹرسٹ - لاہور

طابع : زاہد بشیر پرنٹرز - لاہور

سالِ اشاعت : ۱۴۱۹ھ — ۱۹۹۸ء

قیمت : ۷۵ روپے

تعداد : پانچ سو

واحد تقسیم کار : المعارف گنج بخش روڈ ۔ لاہور ۔ پاکستان

آئی ایس بی این — ۹۶۹ — ۵۰۶ — ۰۰۶ — ۴

تصوّف فاؤنڈیشن ابونجیب حاجی محمّد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر کو ایصالِ ثواب کے لیے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سُنّت اور سلف صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مُطابق تبلیغِ دین اور تحقیق و اشاعت کُتب تصوّف کے لیے وقف ہے۔

فہرست

جس زمانہ میں راقم الحروف بہ تقریب ملازمت گلبرگہ شریف میں تھا۔ اس وقت نواب غوث یار جنگ بحیثیت صوبہ دار وہاں کار فرما تھے اور درگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی درستی و زیبائش و آرائش کی طرف بطور خاص متوجہ تھے۔

راقم نے ان کو توجہ دلائی کہ جہاں درگاہ کی ظاہری حالت کو درست کرنے کی جانب اس قدر روپیہ صرف کیا جا رہا ہے وہاں خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصانیف کی طبع و اشاعت پر بھی اگر کچھ رقم صرف کی جائے تو ان کی تعلیم و ارشادات سے لوگوں کو استفادہ کا موقع ملے گا۔

صاحب موصوف نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور نہ صرف خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصانیف کو جمع کرنے کی جانب توجہ فرمائی بلکہ مختلف مشائخین کے خاندانوں سے ان کے اسلاف کے ذخیرہ کتب کو جو معرض تلف میں تھا فراہم کرنے کی سعی فرمائی اور اس کام کے لیے ایک کمیٹی بنائی جس کا معتمد اس خاکسار کو نامزد کیا گیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک اچھی خاصی تعداد کتابوں کی فراہم ہو گئی اور روضۂ مبارک خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک حصہ میں کتب خانہ کا باضابطہ افتتاح کیا گیا اور خاکسار نے مجتمعہ کتابوں کی فہرست فن وار مرتب کی۔

مجھ کو بعض ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ مولوی عطا حسین صاحب مرحوم اور نواب معشوق یار جنگ بہادر کو تصوف کی کتابوں سے شغف ہے اور انھوں نے ایک معقول ذخیرہ ان کتابوں کا اپنے پاس جمع کر لیا ہے جس میں حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمتہ کی تصانیف کا ذخیرہ بھی ہے۔

چنانچہ مولوی عطا حسین صاحب جب عرس کے موقع پر تشریف لائے تو ان کو اس تجویز سے واقف کرایا گیا اور وہ بخوشی اس کام میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہوگئے اور اُن کی رائے کے مطابق ترجمۂ "آداب المریدین" کو جو خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ کی ایک اہم تصنیف ہے شائع کرنے کا تصفیہ کیا گیا اور درگاہ کے بجٹ سے اس کی طبع واشاعت کے اخراجات کی منظوری دی گئی۔

"آداب المریدین" کا ایک نہایت صحیح نسخہ جو شیخ احمد سہروردی مشہور خطاط کے ہاتھ کا لکھا ہوا والد مرحوم کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ میں نے اس کی نشان دہی کی۔ صاحب موصوف نے میرے برادر بزرگوار مولوی حسین عبدالمنعم صاحب مرحوم وظیفہ یاب صدر محاسب سرکار عالی سے وہ نسخہ حاصل کر کے اس کی تصحیح فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود مطبوعہ نسخہ میں نہ صرف کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں بلکہ کہیں کہیں کاتب نے عربی سے ناواقفیت کی بنا پر اصل متن کو بھی مسخ کر دیا۔

آج سے آٹھ دس سال قبل مجھ کو اصل کتاب 'آداب المریدین' کے ترجمہ کا خیال ہوا اور میں نے چاہا کہ اس مذکورہ نسخہ سے مقابلہ کر کے اصل متن کی تصحیح کروں۔ لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو وہ نسخہ نہ مل سکا تاہم میں نے حتی الامکان اپنی فہم اور استعداد کی موجب ترجمہ کرتے وقت اس کی تصحیح کی۔ باوجود اس کے کئی مقامات حل طلب رہ گئے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کئی بار فرمایا لیکن ہر وقت جس کسی کے ہاتھ لگا اس نے اس کو واپس نہیں کیا۔ سب سے آخیر ترجمہ[1] وہ ہے جس کو مولوی عطا حسین صاحب مرحوم نے شائع

(۱) آخر مرتبہ جو شرح ۸۱۳ھ میں لکھی گئی اس کا ایک نسخہ کلکتہ کے رائل ایشیاٹک سوسائٹی

(باقی اگلے صفحہ پر)

فرمایا ہے ۔ ان کو اعتراف ہے کہ باوجود کوشش بلیغ کے کئی مقامات تصحیح طلب گئے ہیں
مشائخین کرام کے پاس یہ کتاب بطور دستور العمل صوفیہ سمجھی جاتی ہے اور سلوک کے
تمام ابواب کا اس میں ذکر ہے ۔

آداب المریدین کے مصنف کا نام عبدالقاہرؒ، کنیت ابوالنجیبؒ اور لقب
ضیاء الدین ہے ۔ سہرورد، جو شہر زنجان کا ایک قریہ ہے وہاں ۴۹۰ھ میں پیدا ہوئے
بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں جہاں سے اکابر علماء فیضیاب ہو کر نکلے ہیں، علومِ ظاہری کی
تکمیل کی۔ اس زمانہ کے اولیاء اللہ سے فیض باطنی حاصل کیا۔ مدرسہ نظامیہ میں بھی درس
دیا ہے۔ اس کے بعد خود اپنے لیے بغداد میں ایک مدرسہ اور رباط قائم کی اور طالبانِ علم
کی تربیت و تعلیم میں مصروف رہے ۔ ۵۶۳ھ میں وفات پائی اور مدرسہ ہی میں دفن
ہوئے ۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جن سے سلسلۂ سہروردیہ چلا ہے
آپ ہی کے بھتیجے تھے ۔ سلاطین آصفیہ کا سلسلہ بھی اُنھی سے جا کر ملتا ہے[1] ۔

مصنف کا طریقۂ بیان یہ ہے کہ پہلے وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سے استدلال
فرماتے ہیں اس کے بعد حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ پھر اساطین صوفیہ کے اقوال سے
استناد و استشہاد کرتے ہیں ۔

درحقیقت یہ کتاب اس زمانہ کے صوفیہ کرام کے اعتقادات اور معاشرت اور
سلوک اور اس کے آداب کا مرقع ہے ۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ چوتھی اور پانچویں
صدی ہجری میں تصوف کا کیا مفہوم تھا اور صوفیہ کا طریق عمل کیا تھا اور مختلف طبقات کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کے کتب خانہ میں ہے اور ہندوستان میں شاید اب یہی ایک نسخہ باقی ہے ۔ فارسی شرح کا
ایک نسخہ غالباً لندن کے برٹش میوزیم میں بھی ہے۔ (مقدمہ فارسی ترجمہ آداب المریدین مطبوعہ و
مرتبہ سید مولوی عطا حسین حیدرآباد)۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے فارسی ترجمہ ' آداب المریدین ' مطبوعہ و مرتبہ مولوی سید عطا حسین صاحب مرحوم

ساتھ اُن کا سلوک کس طرح تھا۔ راہِ طریقت کو اختیار کرنے اور اس پر چلنے والوں کے لیے یہ کتاب ایک دستور العمل ہی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے بھی جو کسی ملک اور طبقہ کی کلچرل اسٹڈی سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ کتاب معتدبہ مواد فراہم کرتی ہے۔

کتاب متعدد فصول پر تقسیم کی گئی ہے لیکن ان کے عنوانات اکثر جگہ متروک تھے، اس لئے مترجم نے پھر سے ان عنوانات کو قائم کیا ہے اور اس کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔

جن صوفیہ کا ذکر اس کتاب میں ہے یا ان کے اقوال نقل کیے گئے ہیں. حواشی میں ان کی صراحت سنِ مولد و وفات کے ساتھ دے دی گئی ہے۔

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ چوتھا ترجمہ ہے جو انہوں نے تحریر فرمایا ہے۔

مولوی عطا حسین صاحب مرحوم کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اصل کتاب کی ایک عربی شرح بھی لکھی تھی لیکن اب وہ مفقود ہے۔ البتہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کی شرح پٹنہ اور گیا علاقہ میں بعض اصحاب کے پاس پائی جاتی ہے اور اس کو پٹنہ کے ایک مطبع نے طبع کرنا بھی شروع کیا تھا لیکن اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ افسوس ہے کہ یہ شرح ہماری نظر سے نہیں گزری۔

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کے ساتھ مزید تشریح کے لئے کچھ افادات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مترجم نے بقدرِ ضرورت ان سے استفادہ کیا ہے اور حاشیہ پر اس کا ملخص درج کر دیا ہے۔ اس طرح یہ ترجمہ اُن تشریحات پر بھی حاوی ہے حضرت نے اپنے ترجمہ میں تحریر فرمائی ہیں۔

ترجمہ ہٰذا نہ بالکل لفظی ہے اور نہ بالکل آزاد، بلکہ حتی الامکان الفاظ کی رعایت کے ساتھ واضح عبارت میں مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جگہ جگہ حاشیہ میں اصطلاحات اور معنی و مفہوم کو واضح کر دیا گیا ہے۔

امید ہے کہ طالبانِ تصوّف اور سالکانِ راہِ طریقت اس سے استفادہ فرما کر مصنف، مترجم اور ناشر کو دعائے خیر سے یاد کریں گے۔ خاکسار: محمد عبد الباسط

صفاتِ الٰہی

صوفیہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی ضد[1] ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر ہے اور نہ کوئی اس کا مشابہ ہے وہ ان صفات سے موصوف ہے جو اس نے اپنے لیے بیان کئے اور ان ناموں سے پکارا جائے جو اس نے اپنے لیے نامزد کیے ہیں۔

وُہ جسم نہیں ہے کیونکہ جسم مرکب ہوگا اور جو مرکب ہوگا وہ کسی ترکیب دینے والے کا محتاج ہوگا اور نہ وُہ جوہر ہے کیونکہ جوہر کے لیے متحیز[2] ہونا ضروری ہے بلکہ وُہ ہر ایک متحیز کا (کسی جگہ میں رہنے والی چیز) اور خود (جگہ) کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ نہ عرض ہے کیونکہ عرض کے لئے دو زمانے درکار ہیں اور خدائے تعالیٰ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور وہ ایسا بھی نہیں ہے کہ دو چیزوں کے ذریعہ جمع کر دیا گیا ہو یا دو چیزوں کے ذریعہ جُدا کر دیا گیا ہو اور نہ اس کے اجزا ہیں نہ اس کو کوئی ذکر پریشان کرتا ہے اور نہ اس کو کوئی فکر لاحق ہوتی ہے۔ نہ عبارتوں سے اس کو بیان کیا جا سکتا ہے

---

(۱) ضد اس وجہ سے نہیں کہ ضد ہونے کی صورت میں مقابلہ ہوگا اور اللہ کا کوئی مقابل نہیں ہو سکتا اور ضد کی صورت میں دو وجود تسلیم کرنے پڑیں گے اور صوفیہ ایک ہی وجود کے قائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(۲) یعنی کسی جگہ ہونا ضروری ہے۔

اور نہ اشارات سے اس کا تعین کیا جا سکتا ہے نہ انسانی افکار اس کا احاطہ کر سکتی ہیں اور نہ بینائیاں اس کو دیکھ سکتی ہیں۔ ہمارا وہم اس کی نسبت جو بھی تصور کرے یا فہم اس کو جیسا بھی سمجھے خدائے تعالیٰ اس کے سوا ہے اور اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

اگر تم کہو کہ وہ "کب تھا" تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کا وجود وقت سے پہلے تھا اور اگر تم کہو کہ وہ "کیسا ہے" تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی ذات وصف سے بالاتر ہے تم اس کی نسبت "کہاں" ہے نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا وجود مکانیت سے پہلے ہے۔

ہر چیز اس کی بنائی ہوئی ہے اور وہ اس کا سبب و علت ہے اور اس کی بناوٹ کے لئے کوئی علت و سبب نہیں ہے۔

اس کی ذات کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کے فعل کے لیے کوئی دشواری ہے اور نہ وہ کسی فعل کے لیے مکلف ہے۔

وہ انسانی عقلوں سے اسی طرح چھپا ہوا ہے جیسا کہ وہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے کیونکہ عقل اپنی جیسی چیزوں کی طرف رہنمائی کرے گی۔ عقل عبودیت کا آلہ ہے جس کو ربوبیت پر دسترس نہیں ہے۔

اس کی ذات دوسری ذاتوں کی طرح نہیں ہے اور نہ اس کے صفات دوسری صفتوں کی طرح ہیں۔

اس کی صفت سمع کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور اس کے علم کے معنے یہ نہیں ہیں کہ اس سے (معاذ اللہ) جہل کی نفی کی گئی اور نہ اس کی قدرت کے یہ معنے ہیں کہ اس سے عجز کی نفی کی گئی۔

(۲)

صفات متشابہات کے متعلق صوفیہ کا عقیدہ

صوفیہ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

میں خدا کی نسبت منہ ، ہاتھ ، نفس ، سمع ، بصر کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بغیر تمثیل اور تعطیل کے بجائے خود ثابت ہے۔[1]

جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے : لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر۔ اس کے جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

بعض صوفیہ سے خدائے تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا : اگر تم اس کی ذات کی نسبت پوچھتے ہو تو وہ "لیس کمثلہ شئی" (اس جیسا کوئی نہیں) اور اگر اس کی صفات کے متعلق سوال کرتے ہو تو وہ احد ، صمد ، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد (وہ ایک ہے ، حاجت روا ہے ۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

اور اگر تم اس کے نام کے متعلق سوال کرتے ہو تو وہ :۔

"لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم" (کوئی معبود نہیں سوائے اس کے وہ کھلی اور چھپی ہوئی سب باتوں کو جانتا ہے اور وہ رحمٰن اور رحیم ہے)

اگر تم اس کے فعل کے متعلق سوال کرتے ہو تو وہ "کل یوم ھو فی شان" (وہ ہر روز ایک کام میں ہے)۔

ان کا قول استواء کے متعلق وہی ہے جو مالک بن انس نے کہا تھا جب کہ اس کے متعلق ان سے سوال کیا گیا کہ استواء کے معنے معلوم ہیں اور اس کی کیفیت مجہول (سمجھ سے باہر) ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے

---

(۱) خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا : ید اللہ فوق ایدیھم (خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) نیز فرمایا : اینما تولوا فثم وجہ اللہ (جدھر تم رُخ کرو اُدھر اللہ کا منہ ہے) نیز فرمایا : ویحذرکم اللہ نفسہ (اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے) وھو السمیع البصیر (اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے)

یہی ان کا مذہب نزول کے متعلق ہے۔

(۳)

قرآن کے متعلق عقیدہ

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ وہ ہمارے مصحفوں میں لکھا ہوا ہے اور ہماری زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ اس کا کلام اللہ ہونا کتابت اور تلاوت کو متعلق کئے بغیر ثابت ہے کیونکہ احادیث میں اس طرح وارد نہیں ہے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ حروف اور آواز پر مشتمل ہے اس لیے اس کے متعلق خاموش رہنا اور بحث نہ کرنا واجب ہے۔

(۴)

رویت باری

انھوں نے اس بات پر بھی اجماع کیا ہے کہ خدا کا دیدار جنت میں آنکھوں سے ہوگا۔(۱)

خدا نے بینائی سے ادراک کی نفی کی ہے کیونکہ وہ کیفیت و احاطہ کی موجب ہوتی تھی اور رویت کا یہ حال نہیں ہے چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، تم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن اس

(۱) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اپنے ترجمہ میں فرماتے ہیں خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو ان آنکھوں سے دنیا میں خدا کا دیدار دیکھتے ہیں۔ ان کے دل کی آنکھ ظاہری آنکھ میں متبدل و متمکن ہو جاتی ہے۔

طرح دیکھو گے جس طرح کہ تم چاند کو چودھویں رات میں دیکھتے ہو اور اس میں تم کو کوئی شک وشبہ نہ ہوگا۔ اس حدیث میں نظر کو نظر سے تشبیہ دی گئی ہے، نہ کہ منظور الیہ سے (یعنی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا چاند کی طرح نظر آئے گا بلکہ یہ کہا کہ جس طرح چودھویں رات کو تم چاند کو دیکھ کر کوئی شک وشبہ نہیں کرتے ہو اسی طرح خدا کو بھی دیکھ کر کوئی شک وشبہ نہ کروگے)۔

(۵)

جنّت و دوزخ

انھوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جنّت اور دوزخ کے متعلق ذکر کیا ہے اس کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح لوح وقلم اور حوض اور پُل صراط اور شفاعت اور میزان اور صور کے متعلق۔ نیز اس کی نسبت کہ ایک قوم کو دوزخ سے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے نکالا جائے گا اور مرنے کے بعد مُردوں کو اٹھایا جائے گا اور جنّت اور دوزخ ہمیشہ باقی رہیں گے اور ان میں رہنے والے بھی ہمیشہ رہیں گے، نعمتوں سے متمتع ہوتے یا عذاب پاتے ہوئے۔ اہلِ کبائر کے سوا دوسرے مومنین ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

(۶)

خلق افعال و قضا و قدر

انھوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے جیسا کہ وہ ان کے اعیان[1] کا خالق ہے۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے

---

(۱) اعیان سے مراد ذات۔

و اللہ خلقکم و ما تعملون ۔ (اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے)

اور تمام مخلوقات اپنے وقت پر مریں گے اور مقتول اپنی موت سے مرتا ہے اور شرک اور گناہ سب اس کے قضا و قدر سے ہیں۔ اس طرح کہ کسی مخلوق کو اللہ پر حجت لانے کا موقع نہیں ہے بلکہ اللہ کی حجت ہی پوری ہو کر رہے گی اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر اور گناہ کو پسند نہیں کرتا اور پسند اور ہے اور ارادہ اور ہے۔

وہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ کسی اہل قبلہ کے لئے جنت کی گواہی اس بنا پر نہیں دیتے کہ اس نے کوئی نیکی کی اور کسی بدکار کے متعلق دوزخ میں جانے کی گواہی اس بنا پر نہیں دیتے کہ اس نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے۔

ان کا اعتقاد ہے کہ خلافت قریش[1] کے لئے ہے اور کسی کے لئے اس میں جھگڑا کرنے کا حق نہیں ہے۔

ان کے نزدیک اگر حاکم ظالم بھی ہوں تو ان سے بغاوت[2] کرنا جائز نہیں ہے۔

وہ خدا کی نازل کی ہوئی کتابوں پر اور انبیاء اور مرسلین پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ افضل البشر ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں اور اللہ نے ان پر نبوت ختم کی ہے۔

ان کے بعد بزرگ ترین بشر ابوبکر[3]، عمر، عثمان، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اس کے

---

(۱) یہ اس حدیث کے متعلق اشارہ ہے کہ " الائمۃ من القریش " لیکن اس کے معنے یہ نہیں کہ اہلیت و نااہلیت کو نظر انداز کیا جائے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اگر قریش میں کوئی اہل ہو تو دوسروں پر اس کو ترجیح ہو گی۔ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ میں یہی توجیہ کی ہے۔

(۲) اس کے معنے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ اگر بغاوت سے شیرازۂ اسلام بکھر جانے اور طوائف الملوکی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ جائز نہ ہو گی چاہے حاکم ظالم ہی ہو ورنہ یہ بھی حدیث ہے کہ " لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق " کسی مخلوق کی اطاعت جس سے خالق کی معصیت لازم آتی ہو جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ ترتیب بلحاظ زمانہ خلافت ہے نہ کہ نفس فضیلت کے لحاظ سے ورنہ ان میں سے ہر ایک اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اپنی جگہ پر افضل ہے۔

بعد تمام عشرہ مبشرہ۔

پھر ان کے بعد وہ لوگ افضل البشر ہیں جن کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بشارت دی۔

پھر ان کے بعد وہ لوگ جن کے زمانے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے (یعنی صحابہ کرام)

پھر ان کے بعد علمائے باعمل اور ان کے بعد وہ جن سے لوگوں کو زیادہ نفع پہنچے۔
انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ رسول ملائکہ پر افضل ہیں۔ لیکن مومنین پر ملائکہ کو فضیلت دینے میں اختلاف کیا ہے اور ملائکہ کے درمیان بھی باہم (ایک دوسرے پر) فضیلت ہے جیسا کہ مومنین کے درمیان ہے۔

(۷)

حلال روزی کی طلب فرض ہے

انھوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ حلال روزی کا طلب کرنا فرض ہے اور یہ خدا کی زمین حلال سے خالی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حلال روزی طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حلال روزی کا طلب کرنا ضروری ہے اور دوسری وجہ ہم نے اوپر بیان کی (یعنی یہ کہ اللہ کی زمین حلال روزی سے خالی نہیں ہے) اگر حلال روزی کا ملنا ممکن نہ ہوتا تو ان سے اس کا مطالبہ نہ کیا جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی مقام پر زیادہ ہے اور کسی مقام پر کم۔

جس شخص کا ظاہر اچھا ہو وہ اپنے مال اور کسب میں متہم نہیں کیا جائے گا (یعنی اس پر شبہ نہیں کیا جائے گا)

(۸)

مسائل متعلق ایمان

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کمال ایمان اقرار باللسان (زبان سے اقرار کرنا) اور تصدیق بالجنان (دل سے تصدیق کرنا) اور عمل بالارکان (اپنے اعضاٗ سے اس پر عمل کرنا) ہے۔ پس جس نے اقرار کو ترک کیا وہ منافق ہے اور جس نے عمل کو ترک کیا وہ فاسق ہے اور جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو ترک کیا وہ بدعتی ہے۔ عمل بالارکان کے معنے عمل بالجوارح ہے (یعنی اعضاٗ سے عمل کرنا)۔

لوگ اپنے ایمان میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ قلب کی معرفت اس وقت تک نفع نہیں دے سکتی جب تک کہ کلمۂ شہادت اس کو بیان نہ کرے۔ مگر یہ کہ اس کو عذر شرعی ہو۔

وہ ایمان میں استثناء (انشاء اللہ کہنے کو) جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بر بنائے شک ایسا کہا جائے بلکہ بر سبیل تاکید و مبالغہ کے کیوں کہ حقیقتِ حال پوشیدہ ہے۔ حضرت حسن[1] بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: "امومن انت حقاً" کیا آپ درحقیقت مومن ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا، اگر تمہاری مراد یہ ہے میرا خون[2] بہانا ناجائز ہو جائے اور میرا ذبیحہ حلال ہو اور مجھ سے نکاح روا ہو تو میں کہوں گا کہ میں درحقیقت مومن ہوں اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں جنت میں داخل ہوں اور دوزخ سے نجات پاؤں اور خدا مجھ سے راضی ہو تو اس کے جواب میں کہوں گا کہ انا مومن انشاء اللہ (خدا چاہے تو میں مومن ہوں کیونکہ یہ سب امور خدا کی مرضی اور خوشنودی

---

(۱) ان کا نام یسار تھا۔ ان کے والد زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کی ماں حضرت ام سلمہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ مدینہ منورہ میں ان کی پرورش ہوئی۔ حضرت علیؓ سے علم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ آپ ہی کے توسط سے صوفیہ کرام کے اکثر سلسلے حضرت علیؓ تک پہنچتے ہیں۔ ۱۱۰ھ میں بعمر ۸۰ سال وفات پائی۔

(۲) شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

پر موقوف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں " لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین " (تم داخل ہوں گے اگر خدا چاہے مسجد حرام میں امن پائے ہوئے) یہاں کوئی شک نہیں تھا۔ بعض صوفیہ سے اس استثنائ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خدائے تعالیٰ کو اس استثنائ سے اپنے بندوں کو ادب سکھانا اور متنبہ کرنا مقصود تھا کیونکہ جب خدائے تعالیٰ نے باوجود کمال علم کے استثنا کیا ہے تو کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ باوجود تصور علم کے کوئی حکم لگائے اور اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقابر کے لیے خطاب کرتے ہوئے فرمایا : و انا ان شاء اللہ عن قریب بکم لاحقون " (اور ہم عنقریب تمھارے ساتھ ملنے والے ہیں) حالانکہ آپ موت میں اور اہل مقابر سے جا ملنے میں کوئی شک نہیں فرماتے تھے۔[1]

(۹)

کسب و تجارت کے متعلق حکم

انہوں نے اجماع کیا ہے کہ کسب و تجارت اور صنعت و حرفت مباح ہے "تاکہ نیکی و تقویٰ پر اس سے مدد لی جائے لیکن اس کو (محض) روزی پیدا کرنے کا سبب نہ بنایا جائے۔

نیز سوال انسان کا آخری ذریعۂ معاش ہونا چاہئے اور سوال مالدار یا طاقت ور انسان کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۱۰)

فقر بہتر ہے یا غناء ؟

انہوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ فقر ، غنا سے بہتر ہے جب کہ وہ اپنی

(۱) خواجہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں اس کی توجیہ یوں بھی کی ہے۔ ان شاء اللہ کا کہنا قربت لحوق کے لحاظ سے تھا کہ وہ غیر یقینی تھا۔

رضامندی کے ساتھ ہو۔ اسی لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند فرمایا اور اسی کی طرف جبرئیل علیہ السلام نے جب کہ آپ کے سامنے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ اس سے جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس میں ایک مکھی کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہوگی تو جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ آپ تواضع کو اختیار فرمائیں پس آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن شکم سیر ہوں اگر میں بھوکا رہوں گا تو تیری جناب میں تفرع وزاری کروں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو تیری تعریف کروں گا، تجھ کو یاد کروں گا اور تیری شکر گزاری کروں گا۔ اسی پر بعض صوفی دنیا کو رد کرنے پر استدلال کرتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے :

"اے اللہ! مجھ کو مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مجھ کو مسکینی کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن زمرۂ مساکین میں میرا حشر فرما۔"

اگر یہ فرماتے کہ مسکینوں کا حشر آپ کے زمرہ میں ہو تو ان کے لیے بڑی فضیلت کی بات ہوتی چہ جائیکہ خود آپ اپنے لیے ان کے زمرہ میں شامل ہونے کی دعا فرماتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ نے مسکینوں کے ساتھ صبر کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے :" و اصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ

(اور اپنے نفس کو صبر کرنے پر آمادہ رکھ ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں اور ان کو اس کی خوشنودی منظور رہے) اگر کسی شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر استدلال کیا کہ آپ نے کہا ہے کہ" الید العلیا خیر من ید السفلیٰ"۔ (اونچا ہاتھ بہتر ہے نیچے ہاتھ سے) تو کہا جائے گا اونچے ہاتھ نے فضیلت اس وجہ سے حاصل کی کہ اس نے جو کچھ ہاتھ میں تھا اس کو دے دیا اور نیچے ہاتھ میں اس وجہ سے نقص پیدا ہوا کہ اس نے حاصل کیا۔

سخاوت اور عطا کی فضیلت سے اس بات پر دلیل ملتی ہے کہ فقر افضل ہے کیونکہ اگر کسی شے کا مالک ہونا محمود ہوتا تو اس کا عطا کے ذریعہ خرچ کرنا مذموم ہوتا۔ پس جس شخص نے تونگری کو خرچ کرنے اور عطا کی وجہ سے فضیلت دی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی نے

معصیت کو طاعت پر توبہ کی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دی کیونکہ توبہ کی فضیلت معاصی مذمومہ کے ترک کی وجہ سے ہے اور اسی طرح خرچ کرنے کی فضیلت کا حال ہے کہ وُہ ایسے مال کو نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے۔

(۱۱)

فقر کے معنیٰ

فقر، تصوّف سے سوا ہے بلکہ تصوّف کی ابتداء فقر کی انتہا ہے اور اسی طرح زہد کی حالت ہے۔ صوفیہ کے پاس فقر، فاقہ کرنے یا کچھ نہ رکھنے کا نام نہیں ہے بلکہ فقر محمود یہ ہے کہ خدا پر بھروسا رکھے اور جو کچھ خدا دے اس پر راضی رہے۔

صوفیہ، ملامتیہ سے سوا ہیں کیونکہ ملامتی اس کو کہتے ہیں جو کسی بھلائی کو ظاہر نہ کرے اور کسی بُرائی کو نہ چھپائے اور صوفی وُہ ہے جو مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہو اور ان کے ردّ و قبول کی طرف التفات نہ کرے۔

(۱۲)

ترکِ معاش کب افضل ہے؟

انہوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ روزی پیدا کرنے اور صنعت و حرفت کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں مشغول ہونا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ اس شخص کیلئے جس نے طلب رزق کے اہتمام کو ترک کر دیا ہو اور اللہ کی ضمانت[1] پر بھروسا رکھا ہو مگر یہ کہ اس کے پاس خلوت و جلوت اور میل جول اور عزلت مساوی ہو جائے اور وہ قدرت کا

---

[1] ضمانت سے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ و ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا (کوئی زمین پر چلنے والی چیز ایسی نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہیں ہے)

ہر حالت میں مشاہدہ کرنے والا ہو جائے ۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ رزق کا اہتمام کرنے والے نہ بنو۔ اس طرح کہ رازق پر تم کو شک ہونے لگے اور اس کی ضمانت پر تم کو بھروسا نہ رہے۔

بعض صوفیہ کو کہا گیا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ اگر کہیں سے کھانا ہوتا تو فنا ہو جاتا۔ ایک دوسرے صوفی سے کہا گیا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں تو انہوں نے کہا: یہ اس سے پوچھو جو مجھے کھلاتا ہے کہ وہ کہاں سے کھلاتا ہے۔"

(۱۳)

سعادت وشقاوت ازلی ہیں

اس بات پر انہوں نے اجماع کیا ہے کہ بندوں کے افعال سعادت یا بدبختی کا سبب نہیں ہیں کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سعید وہ ہے جو ماں پیٹ سے سعید ہو اور بدبخت وہ ہے جو ماں پیٹ سے بدبخت ہو۔

ثواب وعقاب ثواب خدا کا فضل ہے اور عقاب اس کا عدل ہے اور خوشنودی اور ناراضی دو ایسی قدیم صفات ہیں جو بندوں کے افعال سے متغیر نہیں ہوتیں جس سے خدا راضی ہے اس کو اہل جنت کے کام پر لگایا اور جس سے وہ ناراض ہوا اس کو اہل دوزخ کے کام پر لگایا۔

صبر ورضا ان کے پاس قضا پر راضی رہنا اور مصیبت میں صبر کرنا اور نعمتوں پر شکر ادا کرنا ہر حال میں واجب ہے۔

خوف ورجا خوف ورجا بندہ کے لیے دو لگام ہیں جو اس کو بے ادبی سے روکتے رہتے ہیں۔ ہر قلب جو اس سے خالی ہو وہ تباہ ہے۔

تعمیل امرونہی یہ کہ امرونہی اور احکامِ عبودیت کی تعمیل بندہ پر جب تک کہ وہ عاقل ہے لازم ہے۔ اگر اس کو قلب کی صفائی حاصل ہو جائے تو تکالیف[۱] کی کلفت ومشقت اس سے ساقط ہو جاتی ہے نہ کہ اس کا نفسِ وجوب۔

---

(۱) تکالیف کے معنی فرائض واحکام ہیں جن کا بندہ مکلف وپابند بنایا گیا ہے۔

عدم ازالہ بشریت یہ کہ بشریت کسی شخص سے زائل نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ ہوا میں کیوں نہ اڑ رہا ہو البتہ وُہ کبھی ضعیف ہوجاتی ہے اور کبھی قوی۔ بندگی کی قید سے آزادی باطل ہے۔ البتہ نفس کی قید سے آزادی صدیقوں کے حق میں جائز ہے۔

درجہ فنائیت بُرے صفات عارفین میں فنا ہوجاتے ہیں اور مریدین میں دب جاتے ہیں اور بندہ ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ روحانیوں کی صفات حاصل کرلیتا ہے۔ اس وقت اس کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی ہے اور وُہ پانی پر چلنے لگتا ہے اور نظروں سے غائب ہوجاتا ہے۔

محبّت و بغض للّٰہ اور یہ کہ اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض ایمان کے مضبوط بندھنوں میں سے ایک ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر یہ کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جہاں تک ممکن ہو لازمی ہے۔

—(۱۴)—

کرامات اولیاء اور معجزہ کا فرق

انہوں نے اجماع کیا ہے کہ اولیائ کے کرامات ثابت ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور دوسرے زمانہ میں بھی وُہ جائز رہے ہیں۔

انبیاء کی نبوت معجزہ سے ثابت نہیں ہُوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے ان کو رسول بنا کر بھیجنے سے اور خلق پر اس کا اظہار اس وجہ سے ہُوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت تھا۔

معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ نبی پر معجزہ کا اظہار اور تحدّی[1] واجب ہے اور ولی پر کرامت کا اخفا واجب ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرما دے[2]۔

---

(۱) تحدی کے معنے دعویٰ کرنے کے ہیں کہ اس کے مانند لاؤ (۲) خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت میں کوئی فرق بجز اس کے نہیں ہے کہ معجزہ متبوع سے (جس کا اتباع کیا جاتا ہے) سرزد ہوتا ہے اور کرامت تابع سے ظاہر ہوتی ہے

صوفیہ نے دین میں بحث و تکرار کو ناپسند کیا ہے اور ایسی چیزوں میں مشغول ہونے کو پسند کیا ہے جو ان کے لئے مفید ہوں نہ کہ مضر۔

—(۱۵)—

لباس کے احکام

انھوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ہر قسم کا لباس پہننا جائز ہے بجز اس لباس کے جس کو شریعت نے حرام کیا ہے اور وہ، وہ ہے جس کا اکثر حصہ ریشم کا ہو۔

ان کے نزدیک ہلکے کپڑوں پر اکتفا کرنا اور بوسیدہ اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا زیادہ افضل ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو کم ہو اور کافی ہو وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہو اور غفلت میں ڈالے۔"

کیونکہ وہ دنیا کی چیزوں میں سے ہے جن کے حلال کا حساب دینا ہوگا۔ اور حرام کے لیے عذاب ہے۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے باوجود قدرت کے اچھے کپڑوں کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو بزرگی کا لباس پہنائے گا۔"

پیوند لگے ہوئے کپڑوں کو انھوں نے کئی باتوں کی وجہ سے اختیار کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ کم خرچ ہیں اور کم پھٹتے ہیں اور زیادہ دن تک چلتے ہیں اور فروتنی اور تواضع سے قریب تر ہیں اور تکلیف میں صبر سکھاتے ہیں اور سردی اور گرمی کو دور کرتے ہیں اور اہل الشر (چور) کو ان کی خواہش نہیں ہوتی اور تکبّر اور فساد سے روکتے ہیں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ میرے حبیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں کسی کُرتے کو اُس وقت تک نہ نکالوں جب تک کہ اُس کو پیوند نہ لگا لوں۔"

ابن عمر[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیوند لگا رہے تھے۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھا کہ آپ اپنے عباء (کمل) کو پہن کر خوش ہوتے تھے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ اپنے جبّہ کو پیوند لگا رہے تھے۔

انس[2] بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سبز رنگ کو پسند فرماتے تھے۔ اہلِ جنّت کے کپڑے بھی سبز ہوں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ تمہارے بہترین کپڑے سفید کپڑے ہیں۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ خوب صورت کپڑوں میں سفید کپڑا زیادہ اچھا اور پہننے کے لایق ہوتا ہے۔

(۱۶)

تلاوتِ قرآن اور شعر خوانی اور سماع کے احکام

انہوں نے اجماع کیا ہے کہ قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنا مستحب ہے۔ بشرطیکہ وہ معنی میں خلل پیدا نہ کرے کیونکہ آپ نے فرمایا:

"قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔"

نیز آپ نے فرمایا: "ہر چیز کا ایک زیور ہے اور قرآن کا زیور اچھی آواز ہے۔"

وہ قرآن کو توڑ توڑ کر پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ قصائد اور اشعار کے متعلق ان کا مسلک وہی ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے متعلق استفسار کرنے پر فرمایا:

---

(۱) عبداللہ نام، حضرت عمرؓ کے صاحبزادے، بڑے جلیل القدر صحابی، سنت کی اتباع میں بہت سرگرم، بیعت رضوان میں شریک تھے۔ ۷۴ھ کے اوائل میں فوت ہوئے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور ایک عرصہ تک ساتھ رہے ہیں۔ آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ ۹۳ھ میں بقول اکثر وفات پائی۔

وہ ایسا کلام ہے جس کا اچھا اچھا اور بُرا بُرا ہے"۔

اچھا شعر وہ ہے جس میں کچھ موعظت وحکمت ہو اور اللہ کی نعمتوں اور سرفرازیوں کا ذکر اور پاک لوگوں اور پرہیزگاروں کے اوصاف بیان کئے گئے ہوں۔ اس کا سننا حلال ہے لیکن جس چیز میں ٹیلوں اور منزلوں اور زمانوں اور قوموں کا ذکر ہو اس کا سننا مباح[1] ہے لیکن جس میں ہجو اور فضول باتوں کا ذکر ہو اس کا سننا حرام ہے۔

اور جس میں معشوق کے خدوخال اور اوصاف وخصائل کا بیان ہو جو طبیعت نفس کے موافق ہو تو وہ مکروہ ہے مگر وہ عالم ربانی کے لئے جائز ہے جو طبیعت اور شہوات اور الہام اور وسوسہ میں تمیز کر سکتا ہو۔ اور اس نے ریاضتوں اور مجاہدوں سے اپنے نفس کو مار دیا ہو اور اس کی بشریت کی آگ بجھ گئی ہو اور خواہشات فنا ہو گئے ہوں۔ اور صرف نفس کے حقوق باقی رہ گئے ہوں جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے "فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ"۔ (پس میرے بندوں کو بشارت دو جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں) اور جس کی صفت یہ ہو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے نزدیک تعریف اور مذمت اور دینا اور نہ دینا، جفا اور وفا سب برابر ہو جاتے ہیں۔

بعض مشایخ سے سماع کے بارہ میں پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا: "اہل حقایق کیلئے مستحب ہے۔ عبادت گزاروں اور پرہیزگاروں کے لیے مباح ہے اور نفس پروروں اور خواہشات کی پیروی کرنے کے لیے مکروہ ہے۔"

حضرت جنید[2] رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

---

(۱) حلال اور مباح میں فرق یہ ہے کہ حلال چیز کو عادتاً اختیار کیا جا سکتا ہے بخلاف مباح کہ اس کی عادت نہیں ڈالنی چاہیے۔

(۲) جنید بن محمد بن الجنید بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ باوجود علم باطنی کے حدیث وفقہ میں بھی پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ ۲۰ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے تھے۔ حارث محاسبی اور سری سقطی کی صحبت اٹھائی تھی۔ سنِ وفات میں اختلاف ہے۔ ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

ہر وہ چیز جو بندہ کو اپنے رب کے سامنے حاضر کرے مباح ہے"۔ کیونکہ اچھی آواز بذاتِ خود محمود ہے۔ اس آیت یزید فی الخلق ما یشاء (زیادہ کرتا ہے وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے) کے بارے میں کہا گیا ہے وہ اچھی آواز سے متعلق ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اچھی آواز دل میں داخل نہیں ہوتی بلکہ دل میں جو کچھ ہے اس کو حرکت میں لاتی ہے۔

پھر اہل سماع کے حالات بوقتِ سماع مختلف ہوتے ہیں بعض پر بحالتِ سماع خوف و حزن اور شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ رونے چیخنے اور پکارنے اور کپڑے پھاڑنے لگتا ہے اور بے ہوشی اور اضطراب و بے قراری کی حالت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور ان میں سے بعض پر امید اور فرحت اور بشارت کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ رقص و طرب کرتا ہے اور تالیاں بجانے لگتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے سکینہ[1] کا استقبال رقص سے کیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور جعفر[2] اور زید[3] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے جعفر کو کہا کہ تم صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو تو وہ جھومنے لگے اور زید کو کہا تم ہمارے بھائی اور دوست ہو تو وہ بھی جھومنے لگے اور مجھ کو کہا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تو میں بھی جھومنے لگا۔ حدیث میں حجل کا لفظ آیا ہے اور ابو عبیدہ[4] نے کہا، حجل اس کو کہتے ہیں ایک پاؤں اٹھایا جائے اور دوسرے

---

(۱) سکینہ ایک صندوق تھا جس میں پیراہن یوسف اور عصائے موسیٰ تھا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔

(۲) جعفر بن ابی طالب، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دس سال بڑے تھے۔ حبش کی طرف ہجرت کی اور فتح خیبر کے وقت ہجرت کے ساتویں سال حبش سے تشریف لائے۔ فقیروں اور مسکینوں سے بہت انس رکھتے تھے جس کی وجہ سے آں حضرت نے آپ کا لقب ابو المساکین رکھا تھا۔ جنگ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے۔

(۳) زید بن حارثہ دراصل حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے جن کو مکہ لا کر بیچ دیا گیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو ہبہ کر دیا۔ اس وقت وہ لڑکے تھے۔ آں حضرتؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

(۴) ابو عبیدہ (لغوی) معمر بن المثنیٰ التیمی البصری لغت کے امام ہیں۔ ۲۰۹ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۴۳)

پاؤں پر ٹھہرا جائے یا دونوں پاؤں کو اٹھایا جائے اور پھر ٹھہرا جائے اور چلے نہیں۔
کبھی سماع کی حالت میں سننے والے کو اس چیز کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے جس کی یاد اس کے دل میں ہوتی ہے۔ تو وہ اپنی جگہ اچھل جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے پاس جانے کے لئے اچھل کھڑا ہوتا ہے لیکن جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ جانے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ اچھلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سکون حاصل ہوتا ہے یا وہ مسلسل گھومنے لگتا ہے۔ کبھی کبھی یہ حالت اس تردد کی وجہ سے طاری ہوتی ہے جو روح و جسد میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ رُوح کی روحانیت علوی مائل بہ بلندی ہے جو خوشی سے پیدا ہوتی ہے اور جسد سفلی ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر رُوح بلندی کی طرف لیجاتی ہے اور جسد اپنے محل (پستی) کی طرف۔ یہاں تک کہ سکون حاصل ہوتا ہے۔
کبھی یہ کیفیت محض دل لگی اور وسعت خاطر کے لیے اختیار کی جاتی ہے جو منع نہیں ہے لیکن محققین کی صفات[1] سے نہیں ہے۔
ابوعبداللہ احمد بن عطا رودباری سے منقول ہے کہ سچے سماع سننے والوں کی شرطیں تین ہیں کہ وہ عالم باللہ ہو (یعنی اس کی صفات و ذات کو اچھی طرح سمجھنے والا ہو) اور جس حالت اور حیثیت میں وہ ہے اس کا حق ادا کر سکتا ہو اور جمع ہمت[2] کر چکے۔
جس جگہ سماع سنا جائے وہاں خوشبو[3] ہونی چاہیے اور وقار اور سنجیدگی ہو اور جو لوگ سماع کے مخالف ہوں یا جو شخص سماع کا مخالف ہو یا اس کو دل لگی اور ہنسی سمجھیں ایسے لوگ نہ رہیں۔
سماع تین باتوں کے لیے سُنا جاتا ہے۔ محبت، خوف اور امید۔ سماع میں

---

(۱) خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صفت سوائے محققین کے نہیں ہوتی کیونکہ قلب سے وہ القا کے ساتھ سنتا ہے۔

(۲) "جمع ہمت" سے مراد یہ ہے کہ اپنی حالت پر قائم اور ثابت قدم رہے۔

(۳) خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جہاں سماع ہو وہاں عود یا عنبر جلایا جائے اور پھول رکھے جائیں کیونکہ خوشبو رُوح کی غذا ہے اور جب رُوح کو غذا ملتی ہے تو سماع میں ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور سننے والے کو چاہیے کہ وہ ادب و وقار کے ساتھ بیٹھے۔ بعض لوگ بیٹھے اور بعض ہاتھ چھوڑے ہوئے کھڑے رہتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے جو شخص سماع کا مخالف ہے اور کثیف طبیعت کے لوگ جو خود نما اور سخت دل ہیں اور سماع کو لہو و لعب جانتے ہیں ان کے لیے سماع جائز نہیں ہے۔

حرکت تین طرح کی ہوتی ہے خوشی سے یا وجد سے یا خوف سے ۔ خوشی کی تین علامتیں ہیں رقص، تالی بجانا اور فرحت و نشاط ۔ وجد کی بھی تین علامتیں ہیں : بے ہوشی، اضطراب و بیقراری اور چلانا، اور خوف کی بھی تین علامتیں ہیں : رونا، طمانچہ مارنا اور آہیں بھرنا۔

(۱۷)

دین کے علم و عمل کے متعلق

دین کے فروع اور احکام تو اس کے متعلق ان کا اجماع ہے کہ احکام شریعت اس قدر سیکھنا کہ ان کا جہل نامناسب ہو اور حلال و حرام کو معلوم کرنا تاکہ عمل موافق علم ہو، واجب ہے۔

یہ کہا گیا ہے کہ اگر علم، عمل سے خالی ہو تو وہ عقیم (بانجھ) ہے اور اگر عمل، علم سے خالی ہو تو وہ سقیم (ناقص) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلم مرد اور عورت پر فرض ہے۔

صوفیہ نے مذاہب میں فقہائے اہل حدیث کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ وہ فروع میں علماء کے اختلاف کو برا نہیں سمجھتے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء کا اختلاف رحمت ہے۔

صوفیہ سے بعض لوگوں نے یہ سوال کیا وہ علماء جن کا اختلاف رحمت ہے کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا، "وہ جو کتاب اللہ کو پکڑے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جد وجہد کرتے ہیں اور صحابہ کا اقتداء کرتے ہیں" اور ان کی تین قسمیں ہیں، اصحاب الحدیث، فقہاء، اور علماء اور علماء سے مراد صوفیہ ہیں۔

اصحاب حدیث وہ ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ظاہر سے جو دین کی بنیاد ہیں اپنے آپ کو وابستہ کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما اتٰکمُ الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (جو رسول نے تم کو دیا وہ لو اور جس سے تم کو منع کیا اس کو چھوڑ دو) ان اصحاب نے احادیث کو سنا اور ان میں تفکر و تدبر کیا اور صحیح اور سقیم احادیث میں تمیز کی اور وہ دین کے نگہبان ہیں۔

فقہاء کو اصحاب حدیث پر اس طرح فضیلت ہے کہ احادیث کا علم حاصل کرنے کے بعد

انھوں نے اس کو سمجھا اور فقہ، حدیث کا استنباط کیا اور غور وخوض کے ساتھ نظر ڈال کر احکام اور دین کی حدود کو ترتیب دیا۔ ناسخ و منسوخ میں تمیز کی اور مطلق و مقید اور مجمل و مفسر اور خاص وعام اور محکم و متشابہ کو واضح کیا۔ یہ لوگ دین کے حکام اور علم بردار ہیں۔

علمائے صوفیہ نے دونوں کے ساتھ ان کے معانی اور رسوم سے اتفاق کر لیا ہے بشرطیکہ وہ خواہش نفس سے الگ ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو پیش نظر رکھیں۔ اگر کسی صوفی کو ان علوم سے بہرہ نہ ہو تو وہ احکام شرع اور حدودِ دین میں ان کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر علما، ان علوم کے مسائل میں متفق ہیں تو صوفیہ ان کے اجماع پر عمل کریں گے اور اگر وہ اختلاف کریں تو وہ سب سے بہتر اور اولیٰ رائے پر عمل کریں گے۔

ان کا مذہب یہ نہیں ہے کہ تاویلات کئے جائیں اور خواہشات نفس کی پیروی کی جائے کیونکہ وہ نہایت غامض علوم اور شریف احوال کے ساتھ خاص کئے گئے ہیں اور انھوں نے معاملات کے علوم اور انسانی حرکات وسکنات کے عیوب اور شریف مقامات میں گفتگو کی ہے مثلاً توبہ، زہد، ورع، صبر، رضا، توکل، محبّت، خوف، رجاء، مشاہدہ، طمانیت، یقین، قناعت، صدق، اخلاص، شکر، ذکر، مراقبہ، اعتبار، وجد، تعظیم، اجلال، ندامت، حیا، جمع و تفرقہ، فناء و بقا، معرفتِ نفس، مجاہدات اور ریاضاتِ نفس اور ریاء کے دقائق اور شہوت خفیفہ، شرک خفی اور اس سے خلاصی پانے کی کیفیت نیز انھوں نے ایسے علوم کا استنباط کیا اور نتائج اخذ کیے ہیں جو فقہاء کے لئے مشکل ہیں۔ مثلاً عوارض، عوایق اور حقایق اذکار اور تجرید التوحید اور منازل تفرید خفایات سر اور محدث کے بیکار ہو جانے کے بارے میں جب کہ اس کا مقابلہ قدیم سے کیا جائے۔

غیوبِ احوال، جمع متفرقات، اعراض عن الاغراض، ترکِ اعتراض، پس وہ مخصوص ہیں اس بارے میں کہ انھیں مشکل امور پر وقوف ہے اور منازلہ اور مباشرہ کے ذریعہ اپنی جانوں کی بازی لگا کر ہمہ تن اس کی جانب متوجہ و منہمک ہو گئے حتیٰ کہ انھوں نے ان حالتوں کے مدعیوں سے اس کے دلائل کا مطالبہ کیا اور اس کی صحت و سُقم میں گفتگو کی۔ پس یہ لوگ دین کے حامی اور اس کے اعیان و اعوان ہیں۔

ہر شخص پر جس کے لئے ان علوم ثلاثہ میں سے کوئی مشکل پیش آئے۔ یہ لازم ہے کہ وہ اس علم کے ائمہ کے پاس رجوع کرے اگر کسی پر علم حدیث میں سے کسی مسئلہ کا سیکھنا دشوار اور اس کے رجال کی معرفت درکار ہو تو اس کو ائمہ حدیث کے پاس رجوع کرنا چاہئے اور اگر کسی کو فقہ کے دقایق میں سے کسی مسئلہ کا سمجھنا مطلوب ہو تو اس کو ائمہ فقہ کے پاس رجوع کرنا چاہئے اور جس کو علوم احوال اور ریاضات اور دقایق ورع اور مقامات متوکلین میں کوئی مشکل درپیش آئے تو اس کو ائمہ صوفیہ کے پاس رجوع کرنا چاہئے نہ کہ کسی دوسرے شخص کے پاس اور جو شخص ایسا نہ کرے تو وہ غلطی کرے گا۔

(۱۸)

تصوّف کے بارے میں صوفیوں کے اقوال

مشائخ صوفیہ کے اقوال تصوف کے بارے میں حالتوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہو گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے یا تو اپنے حسب حال جواب دیا ہے یا پوچھنے والے کا مقام جس بات کا متحمل تھا اس کے بموجب جواب دیا ہے۔

اگر سائل مرید ہے تو ظاہر مذہب کے مطابق معاملات کے متعلق جواب دیا گیا ہے اور اگر وہ متوسط درجہ رکھتا ہے تو اس کے احوال کے بموجب اور اگر عارف ہو تو حقیقت کے لحاظ سے۔

ان میں جو کسب کے لحاظ سے زیادہ ظاہر بات ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ تصوف کا اول علم ہے اور اوسط عمل ہے اور آخر موہبت۔ پس علم مراد کو ظاہر کرتا ہے اور عمل طالب کا طلب پر معین و مددگار ہوتا ہے اور موہبت مقصود و مراد کو پہنچائے گا۔

اہل تصوّف کے تین طبقات ہیں: مرید طالب، متوسط سالک اور منتہی واصل۔ پس مرید صاحبِ وقت ہے اور متوسط صاحبِ حال ہے اور منتہی صاحبِ نفس۔ نفس کے معنے ہیں دل کا مشاہدۂ غیب میں محظوظ ہونا۔

اور سب سے بہترین چیز ان کے پاس "پاس انفاس" ہے۔ پس مرید، طلب مراد میں

تکلیف اٹھاتا ہے اور متوسط منازل کے آداب کو طلب کرنا اور صاحب تلوین رنگ بدلتا رہتا ہے کیونکہ وُہ ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے اور اس کی زیادتی اور اضافہ میں مشغول رہتا ہے۔ منتہی واصل ہے جس نے تمام مقامات طے کر لئے ہیں اور تمکین کے مقام کو پہنچ گیا ہے جس کو کوئی حالت متغیر نہیں کر سکتی اور احوال و خطرات اس پر اثر نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے زلیخا، یوسف کی محبت میں صاحبِ تمکین تھی۔ اس لئے یوسف کے دیدار نے ان میں کوئی اثر پیدا نہیں کیا جیسا کہ ان عورتوں میں پیدا ہوا جنھوں نے یوسف کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے حالانکہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ان سے زیادہ کامل تھی۔

پس مرید کا مقام مجاہدات کرنا، تکالیف کو برداشت کرنا اور کڑوے گھونٹ پینا اور نفس کی خواہشوں اور منفعتوں سے دُور رہنا ہے۔ اور متوسط کا مقام، طلب مراد میں خطرات میں در آنا اور ہر حالت میں سچائی کو مرعی رکھنا اور ہر مقام پر اس کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہے۔ منتہی کا مقام بیداری اور تمکین اور جہاں کہیں حق اس کو بلائے اس کو قبول کرے۔ اس کی حالت سختی اور مرفہ الحالی اور منع و عطا، اور جفا و وفا میں مساوی رہے۔ اس کا کھانا اس کی بھوک کی طرح ہو جائے اور اس کا سونا اس کی بیداری کی طرح اس کے خواہشات فنا ہو جائیں اور حقوق و واجبات باقی رہ جائیں، اس کا ظاہر خلق کے ساتھ ہو اور اس کا باطن حق کے ساتھ۔ اور یہ تمام باتیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے حالات سے منقول ہیں۔ پہلے آپ غارِ حرا میں گوشہ نشین رہے۔ پھر خلق کے ساتھ رہے اور آپ کے پاس خلوت اور جلوت میں کوئی فرق نہیں تھا اور یہی حال اہل صفہ کا تھا کہ وہ حالتِ تمکین میں تھے اور امراء اور وزراء ہونے پر بھی مخالطت نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا۔

(۱۹)
احکام مذہب کے بیان میں

پھر مذہب کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کا ظاہر خلق اللہ کے ساتھ ادب کا استعمال ہے اور اس کا باطن نزول احوال اور مقامات کے وقت حق تعالیٰ کی معیت ہے۔

چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں اپنے کپڑوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی خشوع ہوتا"

حضرت جنید نے ابوحفص حداد[1] سے فرمایا: تم نے اپنے اصحاب کو سلاطین کا ادب سکھایا ہے؛ تو انھوں نے کہا" نہیں ابوالقاسم (یہ حضرت جنید کی کنیت تھی) اگر ظاہر میں حسنِ ادب ہو تو وہ باطن کے حسنِ ادب کا عنوان ہوجاتا ہے۔ سری[2] سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "حسنِ ادب، عقل کا ترجمان ہے"۔ ادب کی نگہداشت صوفیہ کے درمیان دوسری باتوں پر مقدم ہے۔ دیکھئے کس طرح خدائے تعالیٰ نے اہلِ ادب کی مدح سرائی کی ہے اور ان کے علومرتبہ کو بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے: ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ ط لھم مغفرۃ واجر عظیم ہ (جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازوں کو پست کر دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان تقویٰ کے لئے کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے)

ابوعبداللہ خفیف[3] نے کہا مجھ سے رویم[4] نے فرمایا: "اے بیٹے اپنے عمل کو نمک اور ادب کو آٹا بناؤ" (یعنی عمل سے زیادہ ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے)

---

[1] ابوحفص حداد نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ خراسان کہلاتے تھے۔ بڑے صاحبِ احوال و کرامات تھے سخاوت اور داد و دہش میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ دس ہزار دینار قیدیوں کو چھڑانے میں صرف کر دیئے درحالیکہ رات کا کھانا بھی حضرت کے پاس موجود نہ تھا۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔

[2] سری سقطی بڑے زبردست اولیاء اللہ میں سے تھے۔ حضرت جنید کے ماموں تھے۔ ۲۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

[3] ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی بڑے صاحبِ احوال و مقامات تھے۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی کا قول تھا کہ صوفیہ میں اب کوئی ان سے بڑھ کر صاحبِ حال اور قدیم ترین اور کتاب و سنت کا پابند اور مذہب شافعی کا فقیہ نہیں رہا۔ ۹۵ سال کی عمر میں ۳۷۱ھ میں فوت ہوئے (مراۃ الجنان ج ۲ ص ۳۹۷)

[4] رویم بن احمد۔ ان کی کنیت میں تین اقوال ہیں۔ ابوالخیر، ابوالحسین، ابومحمد۔ مستور الحال تھے سلطان کے پاس آمدورفت تھی۔ عہدۂ قضا پر بھی مامور رہے۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

کہا گیا ہے کہ تصوف سراسر ادب ہے ہر حالت کے لیے ادب ہے اور ہر مقام کیلئے ادب ہے جس نے ادب کا التزام کیا سو وہ بڑے لوگوں کے درجہ پر پہنچا اور جو اس سے محروم رہا وہ خدا سے دُور رہا۔ اگرچہ اپنے آپ کو (خدا سے) نزدیک خیال کرتا ہو اور (بے ادب) مردود ہوا اگرچہ اپنے آپ کو مقبول سمجھتا ہو۔

کہا گیا ہے جو شخص ادب سے محروم رہا وہ تو تمام بھلائیوں سے محروم رہا۔[1]

نیز کہا گیا ہے کہ جس شخص نے بروقت ادب کو ملحوظ نہیں رکھا تو اس کا وقت مقت (غضب خداوندی) ہے۔ نیز کہا گیا ہے نفس کا ادب یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو بھلائی سکھاؤ اور اس پر اس کو آمادہ کرو اور بُرائی سے آگاہ کرو اور اس سے روکو اور باز رکھو۔ نیز کہا گیا ہے کہ ادب فقراء کی مسند اور مالداروں کی زینت ہے۔ اور کہا گیا ہے لوگ ادب میں تین طبقات پر منقسم ہیں۔ اہل دنیا، اہل دین اور اہل دین میں خصوصیت والے۔ اہل دنیا کا زیادہ تر ادب فصاحت و بلاغت اور علوم اور بادشاہوں کی تاریخ اور عرب کے اشعار کو یاد رکھنا ہے۔ اہل دین کا ادب علوم کو جمع کرنا اور نفس کی ریاضت اور اعضاء کی تادیب اور طبیعت کی تہذیب اور ارادہ کی حفاظت اور شہوت کا ترک کرنا اور شبہات سے بچنا اور بھلائیوں کی طرف متوجہ ہونا۔

اور اہل دین میں اہل خصوصیت کا ادب قلوب کی حفاظت (خطرات و وساوس سے) اور اسرار کی مراعات، ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کرنا ہے۔ مرید باہم عمل کی وجہ سے ایک دوسرے سے فضیلت رکھتے ہیں اور متوسط ادب کی وجہ سے اور عارف (منتہی) ہمت کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ہمت وہ ہے جو تجھ کو اعلیٰ امور کی طلب پر اُبھارے اور انسان کی قسمت اس کی ہمت ہے۔

ابوبکر واسطی[2] نے مالک بن دینار سے اور داؤد طائی[3] اور محمد بن واسع[4] اور ان جیسے

---

[1] مولانا روم فرماتے ہیں: "بے ادب محروم شد از فضل رب"۔

[2] غالباً یہ ابوبکر واسطی وہ ہیں جن کا نام "المنتظم" میں ابن النضر بن کلیم بن زربی لکھا ہے اور وہ ابن ابی حامد کے نام سے مشہور ہیں ان ہیں سے دار قطنی محدث نے روایت کی ہے اور ان کو ثقہ صدوق اور سخی ظاہر کیا ہے۔ ۳۲۱ھ میں فوت ہوئے (المنتظم ج ۶ ص ۲۵۰)

(باقی اگلے صفحہ پر)

لوگوں سے پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ صوفیہ اپنے نفوس سے نہیں نکلے مگر اپنے نفوس کی طرف انھوں نے نعیم[۱] فانی کو نعیم باقی کے لیے چھوڑا ہے۔ پھر بقا و فنا کا حال کہاں ہے۔

جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کیا معنی ہیں؟ لا یسئلون الناس الحافا" (وہ لوگوں سے سوال اصرار کے ساتھ نہیں کرتے) انھوں نے کہا کہ ان کی علوہمتی ان کو اپنی حاجتیں سوائے اپنے مولا کے دوسروں کے پاس لے جانے سے منع کرتی ہے۔

جعفی[۲] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک حکایت میں کہا ہے کہ جب جہنم جوش میں آئے گی اور بھڑک اٹھے گی تو ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا اور اس سے نہ کوئی بڑا شخص مستثنیٰ ہوگا نہ ادنیٰ بجز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ آپ شفاعت کے مقام پر تشریف فرما ہوں گے اور "امتی امتی" کہیں گے۔ کسی شخص کا نفس بغیر علت[۳] کے باقی نہیں رہے گا اس لیے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) [۴] آپ کا پورا نام داؤد بن نصر ابو سلمان الطائی الکوفی ہے۔ علوم ظاہری خاص کر فقہ میں دستگاہ پیدا کرنے کے بعد گوشہ نشینی اختیار کی۔ امام ابوحنیفہ کے پاس جاتے تھے۔ علم کلام پر عبور حاصل کرنے کے بعد جب علم باطنی کا چسکا لگا تو اپنی تمام کتابیں دریائے فرات میں غرق کر دیں۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

[۵] ان کو ابو عبداللہ البصری بھی کہتے ہیں۔ انھوں نے بہت سے صحابہ سے روایت کی ہے۔ بہت عابد و زاہد تھے۔ خراسان بھی گئے تھے۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ ۱۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸)

(صفحہ ہذا) [۱] نعیم فانی سے مراد دنیا اور نعیم باقی سے جنت و آخرت کی نعمتیں مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کرنا بھی ایک کمتر درجہ ہے جس سے بقا و فنا کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

[۲] ان کو حسین الجعفی بھی کہتے ہیں۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے لوگ ان کو راہب الکوفہ کہتے تھے۔ یحییٰ بن یحییٰ کا قول ہے اگر ابدال میں کسی شخص کا شمار ہو سکتا ہے تو وہ حسین الجعفی ہیں۔ ان سے ہم نے دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں اور ۲۰۳ھ میں بعمر ۸۴ سال فوت ہوئے۔

[۳] علت کے معنے نقص کے ہیں۔

وہ " ربی ربی " کہے گا۔ اس سے یہ معلوم ہُوا کہ محلِ حوادث[1] علتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔

(۲۰)

صوفیہ کی بزرگ ترین خصلتیں ان کے اخلاق ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا: "آپ کے تمام اخلاق قرآن پر مبنی تھے"۔ خدا نے فرمایا ہے: "خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین" (ایسے اخلاق اختیار کرو جو آسان اور سہل ہوں اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے روگردانی کرو) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم کو خبر ہے کہ کون تم میں میرا زیادہ دوست اور قیامت کے دن میری مجلس میں نزدیک تر ہوگا"۔ لوگوں نے عرض کیا: "ارشاد ہو"۔ آپ نے فرمایا: "تم میں جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے، جو دوسروں کے لئے سپر ہوں گے، جو ملنسار ہوں گے اور میل جول کرانے والے ہوں گے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بدخلقی بدبختی ہے اور تم میں بد وُہ ہے جس کے اخلاق بد ہوں"۔ حضرت[2] ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "تصوف تمام تر اخلاق ہی کا نام ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے اس کا تصوف زیادہ ہوگا"۔

صوفیوں کے اخلاق میں حلم، تواضع، نصیحت، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، فتوت (مردانگی)، کرم، بذلِ جاہ، مروت، تلطف، طلاقت[3]، سکون، وقار مسلمانوں کے لئے اور جو اس پر

---

[1] محلِ حوادث یعنی انسان حادثوں (تغیر و تبدل) کا محل ہے۔

[2] محمد بن علی بن جعفر الکتانی۔ ان کا وطن بغداد ہے لیکن مکہ میں اقامت اختیار کی۔ ان کو ان کی کثرت عبادت کی وجہ سے 'سراج الحرم' کہا جاتا تھا۔ انہوں نے جنید، خراز اور نوری کی صحبت اٹھائی تھی۔ مکہ میں ۳۲۲ھ میں وفات ہوئی۔

[3] کشادہ پیشانی سے ملنا۔

زیادتی کرے اس کے لئے دُعا کرنا ، ان کی تعریف کرنا اور اُن کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا اور اپنے نفس کو چھوٹا سمجھنا، بھائیوں کی توقیر کرنا اور مشائخ کی تعظیم اور چھوٹوں بڑوں پر رحم، جو کچھ کسی کو دے اگرچہ بہت ہو اس کو کم سمجھنا اور جو کچھ کسی سے لے اگرچہ وہ کم ہو اس کو زیادہ جانتا یہ سب باتیں داخل ہیں۔

حضرت سہیل[1] بن عبداللہؒ سے حسنِ خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا" ادنیٰ ترین اخلاق تحمل اور ترک مکافات[2] اور ظالم پر رحم اور اس کے لئے دُعا کرنا ہے۔ یہ اخلاق متصوفین کے ہیں نہ کہ جو نام نہاد صوفیوں نے اختیار کر رکھے ہیں کہ وہ طمع کو' ارادہ' کہتے ہیں اور سوءِ ادب کا نام' اخلاص' رکھا ہے اور حق سے خروج کو' شطح' کہتے ہیں اور مذموم چیزوں سے تلذذ کو' تطبیب[3]' کہتے ہیں۔ خواہشات نفس کی پیروی کو' ابتلا[4]' اور دنیا کی طرف رجوع کو' وصول' اور بدخلقی کو" صولت" اور بخل کو' شکاوة[5]' احتیاط اور بدزبانی کو' ملامت' نام رکھا ہے حالانکہ یہ صوفیہ کا طریقہ نہیں ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید[6] بسطامیؒ نے اپنے بعض اصحاب سے کہا آؤ فلاں شخص کے پاس چلیں جس نے اپنے زہد کو بہت مشہور کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب آپ اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد کو جا رہے ہیں اور جاتے ہوئے انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے ناک صاف کی۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنے مرید سے کہا" اس شخص نے آدابِ شریعت کو ملحوظ نہیں رکھا تو مقاماتِ اولیاء کے متعلق جس کا اس کو دعویٰ ہے کیونکر مامون سمجھا جائے گا۔" یہ کہہ کر واپس ہو گئے اور ان کو سلام تک نہیں کیا۔

---

[1] سہیل بن عبداللہ تستریؒ۔ کنیت ابو محمد اپنے ماموں خالد بن محمد سوار سے سند حاصل کی۔ ذوالنونؒ کے ہمعصر تھے۔ اکابر صوفیہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ وفات ۲۸۳ یا ۲۷۳ ہجری میں ہوئی۔

[2] بدلہ لینا

[3] آزمائش

[4] اچھی چیزوں سے فائدہ اٹھانا۔

[5] احتیاط

[6] ابو یزید البسطامی۔ ان کا نام طیفور بن عیسیٰ بن فردشان ہے۔ بایزید بسطامی کے نام سے مشہور ہیں۔ وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی۔ (صفۃ الصفوہ جلد ۴ ص ۹۳)

(۲۱)

مقامات

مقامات سے مراد بندہ کا وہ مقام جو عبادات میں اس کو اللہ کے سامنے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :" وما منا الا له مقام معلوم (نہیں ہے ہم سے کوئی مگر ایک مخصوص مقام اسے حاصل ہے) ان میں سے پہلا مقام 'انتباہ' ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف گناہ کے بعد ہمیشہ ندامت اور کثرت استغفار کے ساتھ رجوع کرنا ہے۔

پھر 'انابت' ہے۔ وہ غفلت سے رجوع کرنا ہے ذکر کی طرف۔ نیز کہا گیا ہے 'توبہ' اور 'انابت' رغبت کا نام ہے یعنی رغبت خدا کے دیدار اور اس کی رحمت کی طرف۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'توبہ' ظاہر میں اور 'انابت' باطن میں ہوتی ہے۔

اس کے بعد 'ورع' اور وہ مشتبہ چیزوں کو چھوڑنے کا نام ہے پھر نفس کا 'محاسبہ' ہے اور وہ اس کی کمی و زیادتی کو ڈھونڈھ نکالنا کہ کہاں اس نے مفید کام کیا ہے اور کہاں مضر باتوں پر اقدام کیا ہے۔

پھر 'ارادت'[1] ہے اور وہ ہمیشہ سختی اٹھانا اور راحت کو ترک کر دینے کا نام ہے۔
پھر 'زہد' ہے اور وہ دنیا کی حلال چیزوں کو ترک کرنا اور اس کی شہوتوں سے علیحدہ ہونا ہے۔

پھر 'فقر' ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہ ہونا اور قلب کو ہر اس چیز سے خالی کرنا ہے جس سے ہاتھ خالی ہو۔

پھر 'صدق' ہے اور وہ ظاہر و باطن کی یکسانی ہے۔
پھر 'تصبر' ہے اور وہ نفس کو مکروہات پر قید کرنا اور کڑوے گھونٹ پینا ہے

---

[1] حضرت خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ارادت درحقیقت اس کا نام ہے کہ طلب حق کا سودا سر میں سما جائے اور طالب کا دل سوائے خدا کے کسی کو نہ چاہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ راہ حق میں وہ آرام و راحت کو ترک کرے گا اور ہر قسم کی تکلیف گوارا کرے گا۔

اور یہ مرید کا آخری مقام ہے۔

پھر 'صبر' ہے اور وہ شکوہ کا ترک کرنا ہے۔

پھر 'رضا' ہے اور وہ بلا سے لذت اٹھانا ہے۔

پھر 'اخلاص' ہے اور وہ خلق کو حق کے معاملہ سے نکالنا ہے۔

پھر 'توکل علی اللہ' ہے اور اللہ پر اعتماد کرنا اور ماسوا سے طمع کو زائل کرنا ہے۔

(۲۲)

احوال

احوال قلب کے معاملات میں سے ہیں اور وہ حالت ہے جو ذکر کی صفائی سے قلب پر طاری ہوتی ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ 'حال' وہ کیفیت نازلہ ہے جو قلب پر اترتی ہے اور وہ ہمیشہ نہیں رہتی۔

منجملہ اس کے (مراقبہ)[1] ہے اور وہ یقین کی صفائی کی وجہ سے غیب کی چیزوں کو دیکھنے کا نام ہے۔

پھر 'قرب' ہے اور وہ ہمت کو خدا کے سامنے جمع کرنے کا نام ہے۔ اس طرح کہ ماسوا سے غیوبت[2] حاصل ہو جائے۔

پھر 'محبت' ہے اور وہ محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں میں موافقت کا نام ہے۔

پھر 'رجاء' ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ان باتوں میں تصدیق جن کا اس نے وعدہ کیا ہے۔

پھر 'خوف' ہے اور وہ قلب کا خدائے تعالیٰ کی سطوت اور غضب کا مطالعہ کرنا ہے۔

---

[1] اس بات کا یقین رکھنا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی طرف سے ہو رہا ہے۔

[2] غائب ہونا

پھر 'حیا' ہے اور وہ قلب کو انبساط سے روکنا ہے۔

اور یہ اس لئے ہے کہ قرب ان احوال کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ان میں سے کوئی اپنی حالت قرب میں خدا کی عظمت اور ہیبت کو دیکھتا ہے تو اس پر خوف و حیا غالب ہوتی ہے اور ان میں سے کوئی خدا کے الطاف پر نظر کرتا ہے اور اس کے قدیم احسانات کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل پر محبت اور رجاء غالب ہوتی ہے۔

پھر 'شوق' ہے اور وہ قلب کا ہیجان ہے محبوب کے ذکر کے وقت۔

پھر 'انس' ہے اور وہ اللہ کی طرف سکون اور تمام امور میں اس سے استعانت کا نام ہے اور انس، محبوب کے مشاہدہ کو محب کا لازم کر لینا ہے اور جب اس حال پر زمانہ اور اس کی گھڑیاں گزر جاتی ہیں تو محب کا قلب، وجود محبوب سے سکون حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ اس سے ورع اور حشمت زائل ہو جاتی ہے تو وہ ایسی جرأت کر بیٹھتا ہے جو محبوب کے حال کے لائق نہ ہو۔

پھر 'طمانیت' ہے جو اللہ کی مقدورات پر سکون حاصل کرنے کا نام اور سکون واردات محبت کے تحت ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ رضا ہو یا کراہیت، لطف ہو یا قہر، قرب ہو یا بُعد، ہر چیز محبوب کے سپرد ہو جاتی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

پھر 'یقین' ہے اور وہ تصدیق ہے جو شک کو دور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

پھر 'مشاہدہ' ہے اور وہ رویت یقین اور رویت العین سے علیحدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'تم اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہ دیکھو تو وہ تم کو دیکھتا ہے' اور وہ آخر احوال ہے۔

پھر اس کے بعد 'فواتح' حاصل ہوتے ہیں۔ (فواتح[1] فاتحہ کی جمع جس کے معنے

---

[1] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فواتح، لوائح اور منائح ایسی کیفیتیں ہیں جن کو الفاظ میں ظاہر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ فواتح جمع فاتحہ، کشادہ کرنے والی۔ لوائح جمع لائحہ، ظاہر اور روشن کرنے والی۔ منائح جمع منیحہ۔ عطیہ۔

کشادہ کرنے والی چیز کے ہیں یعنی اسرارِ کائنات اس پر کشادہ ہونے لگتے ہیں)

(۲۳)

اختلاف مسالک میں

مقصود ایک ہی ہے لیکن راستے جداگانہ ہیں۔ قاصدین کے مختلف حالات اور سالک کے مقامات کے لحاظ سے ان میں سے بعض عبادات کے راستہ پر چلے اور وضو اور محراب و مسجد کے ہو رہے اور کثرتِ ذکر اور نوافل میں اپنے آپ کو مشغول رکھا اور اوراد و وظائف کی مداومت کی۔

اور ان میں بعض نے خلوت و عزلت کو اختیار کیا اور لوگوں سے میل جول کم کرنے میں سلامتی دیکھی۔

بعضوں نے سیر و سیاحت اور غربت و مسافری اور گم نامی کا راستہ اختیار کیا۔

کسی نے خدمت کرنے اور اپنے بھائیوں کے لئے اپنے جاہ و مرتبہ سے کام لینے اور ان کو خوش کرنے کی راہ پسند کی۔

اور کوئی مجاہدات اور خطرات میں در آنے اور احوال کو حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

اور بعضے مخلوق کے پاس جاہ و مرتبہ سے دست بردار ہو کر ان سے غیر ملتفت ہو جاتے ہیں اور ان کے خیر و شر سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔

اور بعضے عجز و انکسار کے طریقہ پر چلتے ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا و اخر سيئا۔ عسى الله ان يتوب عليهم (اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ نیک عمل کے ساتھ بُرے عمل کو بھی ملا دیا۔ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے)

ان میں سے بعضوں نے تعلیم اور سوالات کرنے اور علماء کی صحبت میں بیٹھنے اور احادیث سننے اور علوم حفظ کرنے کے طریقہ کو اختیار کیا۔

ہر طریقہ (کسی سند) اور دلیل کے موافق ہونا چاہئے تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جائے اور اس پر عمل کرنے والا حیرت اور فتنہ سے سلامت رہے۔

بعض مشائخ کو کہا گیا کہ فلاں شخص پلٹ گیا ہے (یعنی دل سلوک سے) تو انھوں نے فرمایا (غالباً) راستہ کی وحشت اور اس پر چلنے والوں کی قلت کی وجہ سے وہ پلٹ آیا ہو۔

(۲۴)

صوفیہ کے اقوال عالم کی فضیلت کے بارے میں

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لا الہ الا ھو (اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے فرشتے اور علم والے۔ وہ عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے) اس آیت میں خدا نے پہلے اپنا ذکر کیا ہے اس کے بعد ملائکہ کا اور اس کے بعد اہل علم کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جس طرح میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر۔

نیز آپ نے فرمایا کہ لوگ دو قسموں پر منقسم ہیں: ایک عالم اور دوسرا متعلم اور باقی بیکار اور ناقابل اعتبار ہیں۔

کہا گیا ہے کہ علم، روح ہے اور عمل اس کا جسد ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے: علم، اصل ہے اور عمل اس کی فرع ہے۔

ہمارے جمہور مشائخ نے علم کو معرفت اور عقل پر فضیلت دی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی توصیف معرفت اور عقل سے نہیں کی جاتی۔

نیز کہا گیا ہے کہ علم، عقل پر حکومت کرتا ہے لیکن عقل کی حکومت علم پر نہیں ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ علم بغیر عقل کے فائدہ بخش نہیں ہو سکتا بلکہ علم بغیر عقل کے حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

کہا گیا ہے کہ ادب درحقیقت تمہاری عقل کی صورت ہے اس لئے عقل کو تم جس طرح چاہو بناؤ (اچھی یا بری)۔

علم کی فضیلت اس سے بھی ظاہر ہے کہ ہدہد نے کم عقلی اور کم فطرتی کے حضرت سلیمان علیہ السلام کو باوجود ان کے علوم مرتبت کے علم کے غلبہ اور قوت کی بناء پر (جرأت کے ساتھ) جواب دیا: "احطت بما لم تحط بہٖ" (مجھ کو جو معلوم ہے وہ تم کو معلوم نہیں) اور تحدید و وعید کی کوئی پروا نہیں کی۔

(۲۵)

صوفیہ کے آداب گفتگو اور طریقہ مخاطبت کے بیان میں

اور وہ یہ ہے کہ صوفی کے کلام کا مقصد نصیحت و ارشاد اور طلب نجات ہونا چاہئے اور ایسی بات کہنی چاہئے جس کا نفع سب کو پہنچے۔ نیز لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم جماعت انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں"۔

صوفیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو اس وقت تک نہیں کرتے جب تک اس کے متعلق ان سے پوچھا نہ جائے اور جب پوچھا جائے تو وہ سوال کرنے والے کی حیثیت کے مطابق جواب دیتے ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا گیا کہ ان سے کہا گیا جب ایک سائل آپ سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کرتا ہے تو آپ اس کو ایک جواب دیتے ہیں لیکن دوسرا شخص پوچھتا ہے تو اسی مسئلہ کے متعلق آپ اس کو دوسرا ہی جواب دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: "جواب سائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے"۔

سوال کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے مقام کا اندازہ کر کے سوال کرے اور ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کرے جن کی اس کو ضرورت نہ ہو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا سوال کرنا جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے حاملین فقہ ایسے ہیں کہ جن کو وہ اپنا علم پہنچاتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔

تعلیم ان کو دینی چاہئے جو اس کے اہل ہوں لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل اور غیر اہل سب تک علم پہنچا دینا چاہئے کیونکہ علم خود نااہل کے پاس پہنچنے سے رک جاتا ہے۔

اپنے سے زیادہ جاننے والے کے سامنے گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت ابن مبارکؒ[1] سے سفیانؒ[2] ثوری کی موجودگی میں ایک مسئلہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا: "ہم استادوں کی موجودگی میں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔"

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ علم (تصوف) اسی کو سزاوار ہے جو اپنے وجدان کی تعبیر کر سکے اور اپنے تجربہ کی بناء پر گفتگو کر سکے۔

کہا گیا ہے کہ جس کو اپنے سکوت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا وہ اپنے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اب علم میں سے یہ بھی ہے کہ کسی علم میں اس کے وقت سے پہلے گفتگو نہ کی جائے کیونکہ اس سے بہت سی آفتیں پہنچ جاتی ہیں جو اس سے علم کے فوائد کو منقطع کر دیتی ہیں۔

علم سے جاہ و مرتبہ دنیوی اور مال دنیا کو حاصل کرنے سے بچتے رہنا چاہئے کیونکہ ایسے شخص کو علم سے خدا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے جو غیر منفعت بخش ہو۔ نیز آپ نے فرمایا: "جس نے علم اس لئے حاصل کیا ہے کہ علماء میں امتیاز پیدا کرے اور ادنیٰ لوگوں پر تفوق حاصل کرے یا یہ کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنانا پڑے گا۔

نیز صوفی کو چاہئے کہ اس علم کو کام میں لائے جس کو اس نے سن کر حاصل کیا یا جس کو

---

[1] عبداللہ نام، کنیت ابو عبدالرحمان، ان کے والدین ترک تھے، وطن مرو تھا لیکن کوفہ میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ عطاء بن سلم کا قول ہے کہ "میں نے ان کے مانند کسی شخص کو نہیں دیکھا۔" سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ "عبداللہ بن مبارک مشرق و مغرب میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔" حدیث و فقہ کے امام ہیں۔ تبع تابعین میں ان کا شمار ہے۔ جہاد سے واپس ہوتے ہوئے ۱۳ رمضان ۱۸۱ھ کو وفات پائی (صفۃ الصفوہ ج ۴ ص ۱۰۹)۔

[2] سفیان بن سعید بن مسروق الثوری ۹۷ھ میں پیدا ہوئے ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ شعبان ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

وہ اچھی طرح جانتا ہو۔ کہا گیا ہے جس شخص نے صوفیہ کے علوم کو سُن کر حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو یہ اس کے قلب میں حکمت ہو جاتا ہے اور اس سے دُوسرے سننے والے نفع حاصل کرتے ہیں اگر کسی شخص نے کوئی علم حاصل کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو وہ اس کے لئے قصہ کہانی ہو جائے گا۔ جس کو وہ چند دنوں تک یاد رکھے گا اور پھر بھول جائے گا۔

جب کلام دل سے نکلتا ہے تو دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اگر محض زبان سے نکلے تو وہ کانوں سے تجاوز نہیں کرتا۔ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کو کتنی مرتبہ پکارتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ میں لوگوں کو اللہ کے سامنے بلاتا ہوں۔ پھر انہوں نے فرمایا:
"قوم (صوفیہ) نے اپنے حظ نفسانی کے لئے اپنے اسرار کو فاش کر دیا اور اپنی نگاہوں کو نظر بازی کے لئے وقف کر دیا۔ ان کو خدا کے ذکر کی طرف کیونکر راہ مل سکتی ہے۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اپنے بھائیوں سے آپ گفتگو کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے فرمایا "اس وجہ سے کہ وہ سفرِ وحشت[1] میں ہیں"۔

حکایت کی گئی ہے کہ حضرت شبلی[2] علیہ الرحمۃ نے حضرت جنید علیہ الرحمۃ کی مجلس میں "اللہ" کہا اس پر حضرت جنید علیہ الرحمہ نے کہا کہ اگر تم حاضر ہو (ہوش وحواس میں ہو) تو تم نے ترک حرمت کی اور اگر تم غائب تھے تو غیبت[3] حرام ہے۔

---

[1] سفرِ وحشت سے مراد یہ ہے کہ جو دنیا میں مشغول ہیں خدا کے ذکر سے ان کو وحشت ہوتی ہے۔ دنیا کی زندگی کو سفر سے تعبیر کیا ہے۔

[2] ان کے نام میں اختلاف ہے۔ دلف بن جعفر کسی نے کہا ہے اور کسی نے جعفر بن یونس، کسی نے کچھ اور ان کے ماموں اسکندریہ کے امیر الامرا اور باپ حاجب الحجاب تھے۔ شبلی کی ولادت سرمن رائی بغداد کے ایک محلہ میں ہوئی۔ موفق باللہ خلیفہ نے ان کو رماوند کا حاکم بنایا تھا لیکن انہوں نے اس سے دست برداری کر لی اور خیر النساج صوفی کے ہاتھ پر توبہ کی اور خضراء کی صحبت اختیار کی۔ جنیدؒ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فقیروں کے سر تاج ہیں۔ ۳۳۴ھ میں بعمر ۸۷ سال وفات پائی۔

[3] اللہ سے غافل اور غائب رہنا۔

حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ نے حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "اے ابوبکر! تمہارے اور اکابر صوفیہ کے درمیان دس ہزار مقام ہیں اور اس کی ابتداء اس چیز کے محو[1] سے ہوگی جس میں تم مبتلا ہو۔"

(۲۶)

شطحیات

جو شطحیات[2] حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کی جانب منسوب کئے گئے ہیں، اس کے متعلق یہ سمجھنا کافی ہے کہ وہ غلبۂ حال اور سکر اور وجد کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں نہ ان کو قبول کرنا چاہئے اور نہ رد۔

حضرت سہیل بن عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ علم تین ہیں؛ ایک وہ علم جو اللہ کی جانب سے ہو اور وہ علم ظاہر ہے۔ جیسا کہ امر و نہی اور احکام و حدود۔ دوسرا علم، اللہ کے ساتھ ہے اور وہ خوف و رجاء اور محبت و شوق ہے۔ اور تیسرا علم، اللہ سے متعلق ہے اور وہ اس کے صفات اور اوصاف کا علم ہے۔

کہا گیا ہے علم ظاہر راستہ کا علم ہے اور علم باطن منزل (مقام مقصود) کا علم ہے۔

---

[1] خواجہ صاحب اس مسئلہ کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ دس ہزار مقام سے مراد یہ ہے کہ ہر سانس اور ہر آن تم کو محو ہونا چاہئے۔ پھر صحو (ہوشیاری) میں آنا چاہئے۔ اگر ہزار دو ہزار سال بھی تمہاری عمر ہو اور ہر بار تم محو ہو کر صحو کی حالت میں آؤ تو بھی حقیقت کے چہرہ سے پردہ نہیں اٹھ سکتا۔

[2] شطحیات جمع شطح کی۔ شطح کے معنے عربی میں بلند مرتبہ ہونے کے ہیں۔ جب محققین پر حقیقت کی تجلی ہوتی ہے تو وہ اپنے آپ میں نہیں رہتے اور ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جو بظاہر خلافِ شرع معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بحالت سکر (سبحانی ما اعظم شانی) اور حضرت منصور رحمتہ اللہ علیہ نے "انا الحق" کہا تھا۔

کہا گیا ہے علم باطن، علم ظاہر سے مستنبط ہے اور ہر وہ علم باطن جس کو علم ظاہر قائم نہ کرے باطل ہے۔

نیز کہا گیا ہے کہ جو کچھ تم دونوں کانوں سے سنتے ہو وُہ قصّہ کہانی ہے اور جو تم نے قلب سے سُنا تو اس کو تم نے محفوظ رکھا اور جس نے جو کچھ سُنا اس پر عمل کیا تو اس نے ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت دی۔

نیز کہا گیا ہے کہ علم پکار پکار کر عمل کی جانب توجہ دلاتا ہے اور اگر اس کی بات کو نہ سنا جائے تو وُہ رخصت ہو جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ علم[1] کسی چیز کو معلوم کرتا ہے جیسی کہ وُہ حقیقت میں ہے۔

عقل بصیرت کا نام ہے جو قلب کی ایک قوت ہے اور اس کا مقام ایسا ہی ہے جیسا کہ بینائی کا آنکھ میں۔ جس سے حق و باطل اور حسن و قبح میں فرق کیا جاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ عالم کی پیروی کی جاتی ہے عارف سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ علم وُہ ہے جس کی شہادت کوئی خبر دے۔ اور عقل وہ ہے جس کی شہادت حس دے (یعنی جو چیز سُن کر معلوم کی جائے وُہ علم ہے اور جو محسوس کر کے معلوم کی جائے وہ عقل ہے)

کہا گیا ہے علم وُہ ہے جس کو سُن کر انسان آگاہ ہوتا ہے اور عقل وُہ ہے جس کو انسان محسوس کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ عقل وُہ ہے جو تجھ کو ہلاکت کے مقامات سے دُور رکھتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ عقل کی اصل خاموشی ہے اور اس کا باطن بھیدوں کا چھپانا ہے اور اس کا ظاہر سنّت کی پیروی ہے۔

کہا گیا ہے کہ جب خواہشِ نفسانی غالب ہو جائے تو عقل غائب ہو جاتی ہے۔

---

[1] عرفاء کی دعا تھی کہ اللّٰھمّ ارنا الاشیاء کما ھی (اللہ ہم کو چیزوں کو دکھا جیسی کہ وہ ہیں یعنی ان کی حقیقت و ماہیت کا علم دے)

کہا گیا ہے کہ اگر تم کو کسی شخص کی نسبت یہ جاننا ہو کہ وہ عاقل ہے یا احمق، تو اس سے محال باتیں بیان کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کر لے تو سمجھ لو کہ وہ احمق ہے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم کسی شخص کے علوم کے محتاج ہو تو اس کے عیوب پر نظر نہ ڈالو ورنہ اس کے علوم سے فائدہ اٹھانے کی برکت سے محروم رہو گے۔

(۲۷)

اس بارے میں کہ مرید ابتدائی حالت میں کن آداب کو ملحوظ رکھے

غفلت سے بیدار ہونے کے بعد مرید پر سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ اپنے زمانہ کے شیخ کا قصد کرے جس کی دینداری پر بھروسا کیا جا سکے اور نصیحت اور امانت میں مشہور و معروف ہو اور سلوک کے راستہ سے واقف ہو۔ اگر ایسا شیخ مل جائے تو مرید کو چاہیئے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور اس کی خدمت میں مشغول ہو جائے اور اس کی مخالفت کو ترک کرے اور اپنی حالت کو سچائی پر مبنی رکھے۔

پھر شیخ پر لازم ہے کہ مرید کو رجوع الی اللہ کی کیفیت معلوم کرائے اور اس کا راستہ بتائے اور اس پر چلنا آسان کرے اور اس کو اسلام کے احکام اور اس کے لئے جو مفید یا مضر باتیں ہیں ان کی تعلیم دے اور تمام چیزوں سے پہلے بہتر اور اولیٰ اس کے لئے یہ ہے کہ کھانے اور پینے میں صفائی کو ملحوظ رکھے کیونکہ اس سے اس کی حالت میں زیادتی ہوگی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کا طلب کرنا ہر مسلمان کے لئے بعد فرض نماز کے ایک فریضہ ہے اور بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے کہ حلال کا طلب کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اور حلال کا ترک اس طائفہ (صوفیہ) پر فرض ہے مگر یہ کہ بقدر ضرورت ہو۔

پھر جو فرائض ضائع ہو گئے ہیں ان کو پورا کرنا اور جن لوگوں پر ظلم ہو گیا ہے اس کی تلافی کرنی چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک دانگ کا واپس کرنا جو حرام سے حاصل کیا گیا ہو اللہ کے پاس ستر حج مبرور کے برابر ہے۔

اگر اس نے کسی کو مارا ہے یا زخمی کیا ہے یا (کسی کے عضو کو) قطع کیا ہے تو اس کا قصاص ہونا چاہیئے یا اگر کسی کی غیبت یا چغلخوری کی یا کسی کو گالی دی ہے تو اس کا معاوضہ ادا کرے

اور جس شخص کے متعلق یہ امور سرزد ہوئے ہوں اس سے معافی چاہے۔

اس کے بعد اپنے نفس کی معرفت حاصل کرے اور ریاضتوں سے اس کی تادیب کرے نفس کی دو صفتیں ہیں کہ وہ شہوتوں میں منہمک رہتا ہے اور طاعتوں سے باز رہتا ہے تو اس کو مجاہدات کے ذریعہ رام کرنا پڑے گا اور وہ اس طرح کہ اس کو اس کے مالوف چیزوں سے باز رکھے اور جن باتوں سے وہ گریز کرتا ہے اس کو کرنے کے لئے آمادہ کرے اور شہوتوں سے اس کو منع کرے اور تکالیف اٹھانے کی عادت ڈالے اور اس کو کڑوے گھونٹ پلادے اور اوراد کی کثرت رکھے اور روزے اور نوافل کی پابندی کرے۔ غرض یہ کہ نفس کی مخالفت میں ثابت قدم رہے اور بری عادتیں اس سے چھڑائے اور اس بات کی کوشش کرے کہ بجائے نیند کے بیدار، اور سیر ہو کر کھانے کے بھوکا رہے اور خوش حالی کی بجائے تنگی کو پسند کرے۔ اس وقت وہ تائبین اور اللہ کی محبت سے مختص لوگوں میں شمار کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطہرین (اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نوجوان تائب ہو تو وہ اللہ کا دوست ہے اور ان لوگوں میں اس کا شمار ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یبدل اللہ سیأتھم حسنات (اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا)

حضرت ابوہریرہ[1] رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ بعض لوگ اس امر کی تمنا کریں گے کہ کاش ان کے گناہ زیادہ ہوتے۔ کہا گیا ہے کہ وہ کون ہیں تو آپ نے فرمایا "وہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا"۔ ایسا شخص ان مخصوص لوگوں میں ہوگا جن کو عرش کے اٹھانے والے فرشتے دعائیں دیں گے

---

[1] ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ مشہور عبد شمس بن عامر ہے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد عبد اللہ رکھا گیا۔ آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ آپ نے ۵۷ ہجری میں بعمر ۷۸ سال وفات پائی۔

چنانچہ فرمایا: فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک الآیۃ (پس تو معاف کر ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی۔ الآیہ) اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے ان کے رتبہ کو بڑھا دیا ہے کیونکہ حاملین عرش ان کے لئے دعا دینے والے بنائے گئے ہیں (بمثل ھذا فلیعمل العاملون۔ پس اس طرح عمل کرنے والے عمل کریں) خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: فلیتنافس المتنافسون (فخر کرنے والے اس پر فخر کریں)

توبہ تمام مومنین پر فرض ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: توبوا الی اللہ جمیعا ایہا المومنون توبۃً نصوحًا (اے ایمان والو! تم تمام توبہ کرو اور اللہ کی طرف خلوص کے ساتھ رجوع ہو) نیز خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: من لم یتب فاولٰئک ھم الظّٰلمون (جنہوں نے توبہ نہیں کی وہ ظالم ہیں)

بعض مشائخ نے بیان کیا ہے کسی گناہ سے توبہ کرنے میں تمہاری غفلت اس گناہ سے زیادہ بری ہے جس کا تم نے ارتکاب کیا اور اگر کسی شخص کو قبل توبہ موت آجائے تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے (چاہے بخشے یا عذاب دے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وان ربک لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمھم (کہ تیرا رب مغفرت کرنے والا ہے لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے) الآیۃ

اور توبہ کا وقت اس وقت تک باقی ہے جب تک کہ روح حلقوم تک نہ پہنچ جائے یا یہ کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: یوم یاتی بعض اٰیات ربک لا ینفع نفسًا ایمانھا لم تکن اٰمنت من قبل اوکسبت فی ایمانھا خیرا (جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو اس وقت کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو اپنے ایمان سے بھلائی حاصل نہ کی ہو)

پھر اس کے بعد اس کو چاہئے کہ ہر حالت میں پرہیزگاری کو اختیار کرے اور اس بات کو خوب سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح اس کا محاسبہ کرنے والا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا وکفیٰ بنا حاسبین (اگر ایک چھوٹے

دانہ کے برابر بھی اس کا عمل ہو تو اللہ اس کا محاسبہ کرے گا اور اللہ سے بڑھ کر کون حساب کرنے والا ہے)

جب مقام توبہ و ورع (پرہیزگاری) حاصل کرے تو اس کو چاہئے کہ مقام زہد میں قدم رکھے اور اس وقت خرقہ (لباس صوفیہ) کے پہننے کا وقت آئے گا (یعنی جائز ہوگا) اور اگر اس کو خرقہ پہننے کی جانب رغبت ہو تو اس کے حقوق (اور ذمہ داریوں) کا خیال رکھے تاکہ وہ خرقہ کو عیب نہ لگائے اور اس کو ذریعہ نمائش و نام و نمود نہ بنائے۔

اب یہ قاعدہ باقی نہ رہا اور امتیاز اٹھ گیا ہے اور شیرازہ انتظام میں خلل پیدا ہوگیا ہے اب لوگ فائدہ حاصل کرنے کے لئے خرقہ پہنتے ہیں اور یہ خواہش ہوتی ہے کہ پیروی کرنیوالوں کی تعداد بڑھے، جس کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے اور عناد بڑھ گیا ہے۔

جس شخص نے اپنے آپ کو آداب صوفیہ سے مؤدب کیا اور نفس کو ریاضتوں اور مشقتوں اور مجاہدوں سے رام کرلیا اور مصائب اٹھائے اور ان کے کڑوے گھونٹ پینے کا عادی ہوا اس پر خرقہ کا پہننا واجب ہے۔

نیز وہ (شخص خرقہ پہن سکتا ہے) جس نے مقامات کو طے کرلیا ہو اور ایسے مشائخ صوفیہ کے آداب سے اپنے آپ کو رنگ دیا ہو جو پیروی کرنے کے قابل ہوں اور انھوں نے سچے لوگوں کی صحبت اٹھائی ہو۔

جس شخص کی صفت یہ نہ ہو تو اس کو مشائخوں کی ریس کرنی اور پیری، مریدی کو پیشہ بنانا حرام ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے افعال کے عیوب پر نظر نہ رکھے اور رعونت نفس کو دور نہ کرے اور اس کے لئے عملاً جد و جہد نہ کرے اس کی پیروی جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد مرید کے لئے لازم ہے کہ نفس کو مجاہدات کا خوگر بنائے اور دیکھے کہ کہاں کچھ زیادتی ہے اور کون سی باتیں اس کے لئے مفید اور کون سی مضر ہیں۔

اور اپنی حالت کو اپنے شیخ پر ظاہر کرتا رہے اور ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ کہاں زیادتی ہوئی ہے اور کہاں نقصان ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: فمن یعمل مثقال

ذرّۃٍ خیراً یرہٗ و من یّعمل مثقال ذرّۃٍ شرّاً یرہٗ (جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو اس کو دیکھے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی برائی کرے گا تو اس کو دیکھے گا)

کہا گیا ہے کہ وہ شخص عقلمند نہیں ہے جو اپنی حالت کا اظہار طبیب پر نہ کرے۔ حضرت شیخ محمد بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہر وہ مرید جو دن اور رات میں اپنے حالات اور واردات کے متعلق سوال نہ کرے تو وہ طریق تصوف کا سالک نہیں ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک جماعت مریدوں کی حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئی ان کو آپ نے غافل پایا کیونکہ انہوں نے کسی مسئلہ کے متعلق نہیں پوچھا۔ اس پر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

کفٰی حُزُناً بالوالہ الصبّ ان یرٰی
مناذل من یھوی معطلۃً قفراً

(عاشق دلگیر کے لئے یہ غم بہت ہے کہ وہ اپنے معشوق کے منازل کو خالی اور ویران دیکھے)

اس کے بعد مرید کو چاہئے کہ مقامات کو ان کی ترتیب کے ساتھ طے کرنے کی کوشش کرے اور کسی مقام سے دوسرے مقام کی طرف اس وقت تک منتقل نہ ہو جب تک اس کے آداب کو اچھی طرح درست نہ کرلے۔ زہد کے ساتھ اس وقت تک اشتغال نہ کرے جب تک ورع (پرہیزگاری) سے فارغ نہ ہو جائے اسی طرح اور مقامات کا حال ہے یہاں تک کہ مقامات قلب تک پہنچ جائے۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ حرکات قلب کا عمل زیادہ اشرف و اعلیٰ ہے حرکت اعضا کے عمل سے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر ابوبکرؓ کے ایمان کو تمام دنیا کے لوگوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکرؓ کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا" نیز آپ نے فرمایا :" ابوبکرؓ کو نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے فوقیت نہیں ہے بلکہ ایک ایسی چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے دل میں گھر کی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا ظہور اس وقت ہوا جبکہ آپ نے وفات پائی اور جو بات حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہوئی وہ دوسروں سے ظاہر نہ ہو سکی۔

چنانچہ وہ اس موقع پر منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا؛ جو لوگ تم میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتے تھے وہ سن لیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی پرستش کرتے تھے وہ جان لیں کہ وہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل ردّۃ سے (جو اسلام سے پھر گئے تھے) قتال کیا اور اسلام کی حفاظت کی۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ جب معاملات قلوب تک پہنچ جاتے ہیں تو اعضاء کو آرام مل جاتا ہے اور اس وقت مرید عبارت باطن کی طرف مشغول ہو جاتا ہے اور احوال کو برتنا اور اسرار کی نگہداشت اور انفاس کا شمار اس کا مشغلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فقیر کی عبادت خواطر[1] کی نفی ہے۔ اس بات سے اس کو اچھی طرح ڈرتے رہنا چاہئے کہ وہ اپنی ابتداء کو لوگوں کی تعریف و توصیف سے خراب نہ کرے بلکہ اس کو اپنے نفس کی معرفت کی جانب رجوع کرنا چاہئے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ الفاظ کا سننا آنکھوں سے دیکھنے کے برابر[2] نہیں ہے۔

مرید کو چاہئے کہ وہ دن کو روزے رکھے اور راتوں میں نمازیں پڑھے اور اپنے بھائیوں کی خدمت کرے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر مرید جو اپنے نفس کو دن میں روزہ رکھنے اور رات کو نماز پڑھنے کا عادی نہ بنائے تو وہ ایسی بات کی تمنا کرتا ہے جس کے لئے وہ موزوں نہیں ہے۔

پھر مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کا خیال رکھے اور ان کو کسی نہ کسی نیک کام میں صرف کرے کیونکہ اگر وقت چلا جائے تو پھر اس کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔ (گیا وقت پھر

---

[1] خواطر جمع خطرہ۔ دل میں جو وسوسے گزرتے ہیں اس کو خطرات یا خواطر کہتے ہیں۔

[2] یعنی دیکھنے سے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں وہ سننے سے نہیں ہوتے اسی لئے کہا گیا ہے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ"

ہاتھ آنا نہیں)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عقلمند کو چاہئے کہ وُہ ان تین امور میں سے کسی نہ کسی میں مشغول رہے یا تو اپنی معاش کی درستی میں یا معاد (آخرت) کی تیاری میں یا حلال کی لذت میں۔"

حضرت علی[۱] رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مومن کے لئے چاہئے کہ اس کے اوقات چار حصّوں میں تقسیم ہوں۔ ایک حصّہ رب کی مناجات میں اور ایک حصّہ نفس کے محاسبہ میں اور ایک حصّہ ان علمأ کے ساتھ جو خدا کے احکام میں اس کو مدد دیتے اور نصیحت کرتے ہیں اور ایک حصّہ اپنے نفس اور اس کی جائز لذّتوں میں۔

جریری کا بیان ہے کہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا تو وہ غمگین معلوم ہوئے میں نے پُوچھا تو جواب دیا کہ مجھ سے ایک ورد نہ ہوسکا تو میں نے کہا کہ اس کو دوسرے وقت پُورا کر لیجئے۔ جواب دیا یہ کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ اوقات گنے چُنے ہوتے ہیں۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ جو شخص ایک قدم بھی آگے بڑھ گیا ہو بشرطیکہ وُہ سچا ہو تو اس کو دوسرا شخص جو پیچھے آرہا ہو نہیں پکڑ سکتا۔

مرید کے لئے واجب ہے کہ اس کا ظاہر اوراد سے خالی نہ رہے اور اس کا باطن ارادات (شوق و محبت) سے یہاں تک کہ اس پر واردات (تجلیات) کا نزول ہونے لگے۔ اس وقت اس کو واردات کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے نہ کہ اوراد سے۔

بعض مشائخ نے ایک شخص کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو اس سے پوچھا کہ اس سے تم کیا کرتے ہو تو اس نے کہا کہ میں تسبیحات کو اس سے گنتا ہوں تو انہوں نے فرمایا: تم کو چاہئے کہ اپنی برائیوں کو گنو۔

---

[۱] علی بن ابی طالب: امیر المومنین خلیفہ چہارم آں حضرتؐ کے چچیرے بھائی اور داماد سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے شوہر حضرت حسنؓ اور امام حسینؓ کے والد بزرگوار، کم عمروں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، شجاعت اور بہادری میں بے مثل اور مقدمات کے فیصلے کرنے میں بے نظیر، آپ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔

مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی خدمت کو غنیمت سمجھے اور اس کو نوافل پر مقدم رکھے۔ حضرت عائشہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے گھر میں بیکار نہیں رہتے تھے یا تو کسی مسکین کے جوتے کو درست کرتے یا کسی بیوہ کے کپڑے کو سیتے۔

حضرت ابو عمرو الزجاجی سے حکایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مدت تک رہا۔ انہوں نے مجھ کو ہمیشہ کسی نہ کسی عبادت میں مشغول دیکھا اور مجھ سے بات چیت نہیں کی یہاں تک کہ ایک دن لوگوں سے ان کی جگہ خالی ہوئی (یعنی تنہائی نصیب ہوئی) اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں چلے گئے تو میں اٹھا اور اپنے کپڑے اتارے اور اس جگہ کو جھاڑا، پاک صاف کیا اور اس پر پانی چھڑکا اور طہارت کی جگہ کو دھویا جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ وہاں آئے تو مجھ پر گرد و غبار کا اثر دیکھا مجھ کو بلایا اور میری تعریف کی اور مجھ کو دعا دی اور تین بار کہا کہ "تم نے بہت اچھا کیا اور اس کو اپنے لئے لازم کرو"۔

مرید کے لئے مکروہ ہے کہ وہ اپنے استاد کو دل کی آنکھ کھلنے سے پہلے چھوڑ بیٹھے بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ اس کے امر و نہی کے تحت اس کی خدمت میں صبر کرتا رہے۔

بعض شیوخ نے کہا ہے کہ جو اپنے شیوخ کے احکام و تادیب سے متادب (تربیت یافتہ) نہ ہو تو وہ کتاب و سنّت سے بھی متادب نہیں ہو سکتا۔

کہا گیا ہے کہ سچے مرید کی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت و فرمانبرداری کرے نہ کہ مرشد سے دلیل حجت طلب کرے اور طبیب کے معالجہ پر صبر کو ترک کر دے۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جب تم مرید کو دیکھو کہ وہ اپنی شہوات پر جما ہوا ہے اور خواہشات نفسانی کا جویا ہے تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہؓ، زوجہ مکرمہ رسول اللہؐ، ام المومنین، فقہائے صحابہ آپ کے پاس سنت نبویؐ اور علم دین حاصل کرنے کے لئے رجوع ہوتے تھے اور استفادہ فرماتے تھے۔ ۵۷ھ اور بقول بعض ۵۸ھ میں وفات پائی۔

اور اگر دیکھو کہ متوسط اپنے قلب کی حفاظت اور اپنے احوال کی مراعات سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ وُہ کذّاب ہے اور اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ معرفت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مدح[1] و ذم اور قبول و رد میں تمیز کرتا ہے تو جان لو کہ وُہ جھوٹا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر علامات نہ ہوتے تو ہر شخص سلوک و طریقت کا مدعی ہوتا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، فلعرفتھم بسیماھم ولتعرفنھم فی لحن القول (البتہ تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لو گے اور ان کی گفتگو کے طرز سے تم کو معلوم ہو جائے گا)

مرید کو یہ جاننا واجب ہے اس کے لئے کوئی مقام اور حال اور عبادت مفید نہیں ہو سکتی اگر وہ اخلاص کے ساتھ نہ ہو اور اخلاص کے معنے یہ ہیں کہ وہ مخلوق کے دیکھنے سے پاک و صاف ہو (یعنی بحالت عمل مخلوق پر نظر نہ ہو) حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں سب سے بڑھ کر شرک سے بیزار (اور کسی شریک کی شرکت کا روادار نہیں ہوں) اگر کسی نے کوئی عمل کیا جس میں سوائے میرے کسی اور کو شریک رکھا تو میں اس سے اور اس کے عمل سے بری ہوں۔"

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہر ایک حق بات جس میں باطل کی شرکت ہو وہ حق کی قسم سے نکل کر باطل کی قسم میں آجاتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ غیور ہے۔ لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اپنے احوال اور عبادات کا اظہار بغیر قصد و ارادہ کے ہو جائے۔

اخلاص اس وقت تک صحیح نہ ہو گا جب تک کہ مخلوق کے قدر و مرتبہ اور ان کے ضعف اور قلت نفع و ضرر کی معرفت نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا ہے، لم تعبد ما لا یسمع و لا یبصر و لا یغنی عنک شیئا (تم اس کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سُن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ وہ تم کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے)

---

[1] اس کے معنے یہ ہیں کہ تعریف سے خوش اور مذمت سے ناراض ہونا اور شہرت و خود نمائی کا طالب ہے اور معرفت کا بھی مدعی ہے تو ایسا شخص معرفتِ الٰہی سے بے بہرہ اور جھوٹا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایمان کی حلاوت نہیں پائے گا جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ جو کچھ اس کو پہنچا ہے وہ خطا نہیں کر سکتا تھا (یعنی اس کا پہنچنا ضروری تھا) اور جس نے پہنچنے میں خطا کی ہے وہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔

نیز آپ نے فرمایا: یہ ضعف یقین کی بات ہوگی کہ تم لوگوں کو راضی رکھنے کے لئے اللہ کو ناخوش کرو اور ان کی تعریف اس وجہ سے کرو کہ اللہ نے تم کو (ان کے توسط سے) رزق پہنچایا اور ان کی مذمت اس وجہ سے کرو کہ ان کے ذریعہ سے اللہ نے تم کو کچھ نہیں دلایا کیونکہ اللہ اپنے رزق کو کسی حریص کا حصّہ کھینچ کر نہیں دلاتا اور نہ کسی ناپسند کرنیوالے کی ناپسندیدگی اس کو باز رکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وان یمسسک اللہ بضرٍ فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیرٍ فلا رادّ لفضلہ یصیب بہ من یشاء" (اگر تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو بجز اس کے کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو روکنے والا کوئی نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے)

(۲۸)

مراعات نفس کے بارے میں

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی نگہداشت کرتا رہے اور اس کے اخلاق کو پہچانے کیونکہ وہ (امّارۃ بالسّوء) برائی کا حکم دینے والا ہے اور اس سے کبھی غفلت نہ کرے۔ اگرچہ وہ معرفت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نفس کی نگہداشت فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر[1] سے پناہ مانگتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میری اور میرے نفس کی مثال ایسی ہے

---

[1] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عمل امت کی تعلیم کے لیے تھا کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میرا شیطان، اسلام لا چکا ہے۔

جیسے بکریوں کا چرواہا، جو اپنی بکریوں کو ایک جانب لے جانے کے لئے اکٹھا کرتا ہے تو وہ دُوسری جانب نکل جاتی ہیں۔

ابوبکر الورّاق[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ نفس تمام احوال میں خودنما[2] ہے اور زیادہ تر احوال میں منافق ہے اور بعض احوال میں مشرک ہے۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ نفس ایک بُت ہے۔ اس کی طرف رغبت سے دیکھنا شرک ہے اور اس کے بارے میں غور کرنا اور سوچنا عبادت ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس کی مثال حُسن کو ظاہر کرنے اور بُرائی کو چھپانے میں ایک انگارہ کی سی ہے جس کا رنگ تو اچھا ہے لیکن اس کا کام جلانا ہے اور اگر نفس کے ساتھ سختی ہوتی ہے تو وہ توبہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بُرائی سے رجوع کرتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو وُہ اپنے خواہشات کا ارتکاب کرتا ہے اور بھلائیوں سے رُوگرداں ہوجاتا ہے۔

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: "واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ واذا مسّہ الشر فذو دعاء عریض" (جب ہم انسان کو اپنے انعام سے سرفراز کرتے ہیں تو وہ رُوگردانی اور پہلوتہی کرتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے)

کہا گیا ہے کہ نفس کی مثال ایک صاف و شفاف پانی کی سی ہے جو ساکن ہو اور

---

[1] ان کا نام محمد بن عمر ہے۔ ان کو حکیم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اصل میں ترمذ کے رہنے والے ہیں۔ بلخ میں اقامت اختیار کی۔ چوتھی صدی کے اوائل میں انتقال ہُوا۔

[2] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ نفس بہشت میں بھی کہے گا کہ اے کاش میرے لوگ جانتے کہ کس طرح میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو باعزت بنایا اور اکثر احوال میں منافق کے معنے یہ ہیں کہ وُہ اپنے عیب کو چھپانا اور ہنر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ نفس کے شریک ہونے کے معنے آئندہ فقرہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

جب اس کو حرکت دی جائے تو وُہ اپنی بد بو اور گندگی کو ظاہر کرتا ہے۔

طالب کو جاننا چاہئے کہ نفس اپنے دعویٰ میں اللہ کا ضد اور اپنے مطالبہ میں اس کا ہمسر ہونا چاہتا ہے اور یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ وہ اس کی حمد و ثنا کریں لیکن نفس اپنی تعریف پسند کرتا ہے۔ خدا نے اپنے بندوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اس کے حکم کو مانیں اور اس کی منع کی ہُوئی باتوں سے باز رہیں۔ لیکن نفس یہ چیزیں اپنے لئے طلب کرتا ہے۔ خدا نے اس بات کا مطالبہ کیا ہے بندے اس کی سخاوت وکرم کی توصیف کریں لیکن نفس یہ توصیف اپنے لئے چاہتا ہے۔ خدا نے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بندوں کے پاس مرغوب ہو اور بندے اس سے ڈرتے رہیں لیکن نفس اپنی طرف راغب کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ نفس ایک لطیفہ ہے جو انسان کے قلب میں ودیعت کیا گیا ہے اور وہ اخلاق مذمومہ کا محل ہے اور رُوح ایک لطیفہ ہے جو انسان کے قلب میں ودیعت کیا گیا ہے اور صفات محمود کا محل ہے جیسا کہ آنکھ دیکھنے کا محل ہے اور کان سُننے کا محل اور ناک سُونگھنے کا محل ہے۔

کہا گیا ہے کہ روح خیر کا معدن ہے اور نفس شر کا معدن ہے اور عقل رُوح کا لشکر اور خواہشات نفس کا لشکر ہیں اور توفیق، اللہ کی طرف سے روح کی مدد ہے اور نگونساری اور شرمندگی نفس کی مدد ہے اور قلب ان دونوں لشکروں میں سے غالب کے ساتھ ہے۔

طالب کو یہ جان لینا چاہئے کہ حاصل کلام تین چیزیں ہیں: ایک وُہ جس کی رُشد و ہدایت ظاہر ہو چکی ہے اس کی متابعت واجب ہے اور ایک چیز ایسی ہے جس کی گمراہی واضح ہے اس سے دُوری اختیار کرنا لازم ہے اور ایک چیز ہے کہ جو مشتبہ ہے اس میں توقف کرنا ضروری ہے یہاں تک از روئے علم یا عقل اس کی ہدایت یا گمراہی واضح ہو جائے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم کو ایسے امور پیش آئیں جن کو تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کونسی

بات اچھی ہے تو تم کو دیکھنا چاہئے کہ تمھاری خواہش نفسانی میں سے کون سی بات زیادہ تر بعید ہے اور جو بعید ہو وہی اچھی ہے۔

مرید کو لازم ہے کہ وہ اخلاق نفس کو بدلنے کی کوشش کرے جیسا کہ کبر، کینہ، حرص، طول امل، حسد، لڑائی جھگڑا، غیبت، اختلاف، بدگمانی، بے شرمی وغیرہ وغیرہ اخلاق ذمیمہ میں سے ہیں اور اس کے ضد، اخلاق حمیدہ ہیں اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔

(۲۹)

آداب صحبت کے بیان میں

کہا گیا ہے ؎

وحدۃ الانسان خیر　　من خلیل السوء عندہ

جلیس الخیر خیر　　من جلوس المرء وحدہ

(انسان کا اکیلا رہنا بہتر ہے۔ بُرے ساتھی سے اور اچھا ساتھی بہتر ہے انسان کے اکیلے رہنے سے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے"۔ اور آپ نے فرمایا: "اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو کسی سے الفت نہیں رکھتا نہ کوئی اس سے الفت رکھتا ہے۔"

حضرت ابو حفص[۱] نیشا پوری سے سوال کیا گیا کہ مصاحبت کے بارہ میں احکام

---

[۱] ان کا نام عمرو بن اسلم ہے۔ بعض لوگوں نے عمرو بن سلمہ لکھا ہے۔ حضرت جنید کا ان کے متعلق قول ہے، اگر میں ان کو دیکھتا تو میرے لئے کافی تھا۔ ان کا قول تھا کہ جو شخص اپنے اقوال واعمال کا موازنہ کتاب وسنت سے نہ کرے اور اپنے خطرات قلبی پر قابو نہ رکھے تو اس کا نام مردانِ خدا کی فہرست میں نہ لکھا جائے گا۔ اُن کے سنِ وفات میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ۲۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۹۹)

فقر اور آداب فقرا کیا ہیں ؟ جواب دیا کہ "مشائخ کی حرمت کی حفاظت اور اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اور اپنے چھوٹوں کو نصیحت کرنا (بنجیال خیر خواہی) اور ان لوگوں کی صحبت کو ترک کرنا جو صوفیہ کے طبقہ سے نہ ہوں اور ایثار کو اختیار کرنا اور ذخیرہ اندوزی سے بچنا اور دین دنیا کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا۔

صوفیہ کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے ہم جنس اور ایسے شخص کی صحبت کو اختیار کرتے ہیں جن سے بھلائی پہنچ سکے[1]

ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ وہی لوگ صحبت کے لائق ہیں جو تمھارے عقیدے کے موافق ہوں اور جن کو تم بزرگ اور قابل احترام سمجھتے ہو۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم (اور تصدیق نہ کرو بجز ان کے جو تمھارے دین کی پیروی کرتے ہیں) اور ایسے شخص کی صحبت اختیار نہ کرے جو اس کے مذہب کا مخالف ہو اگرچہ اس کا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو۔ غور کرو کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو جب انہوں نے کہا کہ میرا لڑکا میرے اہل و عیال سے ہے تو کس طرح جواب دیا: انّه لیس من اھلك انّه عمل غیر صالح (وہ تمہارے اہل و عیال سے نہیں ہے بلکہ وہ ناپسندیدہ عمل کرنے والا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جب خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حادّ اللہ ورسولہ (تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول کے مخالف کو دوست رکھیں گے) تو آپ نے فرمایا: "اے اللہ کسی بدکار کو مجھ پر احسان کرنے کا موقع نہ دے کہ جس کی وجہ سے میرا دل اس کو محبت کرنے لگے"۔

بلکہ طالب کو اس شخص کی صحبت اختیار کرنا چاہئے جس کی دینداری، امانداری اور

---

[1] خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اہل دنیا اور ایسے لوگوں سے اجتناب ضروری ہے جو طلب حق اور سلوک طریقت کے منکر ہیں۔

مذہب اور پرہیزگاری پر ظاہراور باطن میں وہ بھروسا رکھتا ہو۔

صوفیہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی خدمت کرے اور ان کی تکلیف کو دُور کرے اور اگر ان سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو برداشت کرے اور ان پر اعتراض نہ کرے بجز ان امور کے جو مخالف شرع ہوں اور ہر ایک کی قدر اس کے مرتبہ کے موافق کرے۔

حضرت سفیان بن عُیَینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جو شخص لوگوں کے مرتبہ کو پہچاننے میں جاہل ہوتو وہ اپنے نفس کے مرتبہ کو پہچاننے میں زیادہ جاہل ہوگا۔"

یہ بھی فرمایا: "لوگوں کا مرتبہ کوئی کم نہیں کرتا بجز اس کے کہ وُہ خود اپنی آپ قدر نہیں کرتا۔"

اور اگر اپنے ساتھی میں کوئی عیب ہو تو اس کو بتائے اور ایسی باتوں کی طرف اس کی رہنمائی کرے جس میں اس کی فلاح و بہبودی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔"

حضرت عُمرؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "خدا اس شخص پر اپنی رحمت نازل کرے جس نے مجھ پر میرے عیوب کو ظاہر کیا۔"

ان کے آداب میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی حالت اور لیاقت کے بموجب دوسرے کے ساتھ صحبت رکھے۔ مشائخین اور بزرگوں کے ساتھ محبّت، ان کے احترام اور خدمت اور تعظیم و توقیر اور ان کے کام انجام دینے سے ہوگی اور ہمسر اشخاص سے کشادہ پیشانی اور خوشی و مسرت اور موافقت کے ساتھ ملنے اور ان کے ساتھ بھلائی اور احسان اور ایسا برتاؤ کرنے سے جو مناسب وقت ہو۔

لہ عمر بن الخطاب، امیر المومنین خلیفہ دوم ہیں۔ آپ کا لقب فاروق ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت مشہور ہیں۔ آپ کے زمانہ خلافت میں شام اور مصر اور بہت سے ممالک فتح ہوئے۔ آپ کی شان میں آنحضرتؐ نے فرمایا: "میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۲۴ھ میں شہادت پائی۔

حضرت ابوالعباس بن عطاؒ رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے اپنے مریدوں کے سامنے پاؤں پھیلائے اور کہا کہ اہل ادب کے سامنے ادب کا ترک کرنا ادب ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: " دوستی سچی ہوتی ہے تو ادب کے شرائط ساقط ہوجاتے ہیں۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود تھے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے تو آپ نے اپنے جسم کو چھپایا اور کپڑوں کو برابر کرلیا اور بیٹھ گئے۔ اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: " میں اس شخص سے کیسے حیا نہ کروں جس سے ملائکہ شرماتے ہیں۔" اس طرح آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بزرگی کا لحاظ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سادگی اور بے تکلفی کی حالت تھی۔

اگر اپنے ساتھیوں کا کوئی عمل مخالف مذہب ہو تو مداہنت[1] سے کام نہ لے۔

رویم کہتے ہیں کہ صوفیہ کی حالت اس وقت تک بہتر رہی جب تک کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ منافرت[2] (اختلاف) کرتے رہے اور جب انہوں نے باہم صلح کرلی یعنی رواداری کو اختیار کرلیا تو ہلاک ہوگئے۔

حق بات کو قبول کرلینا اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرلینا چاہئے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس[3] بن عبدالمطلب کے

---

[1] نرمی و رواداری

[2] غالباً اس قول کے یہ معنے ہیں کہ جب تک تنقید اور نکتہ چینی کی صفت صوفیہ میں باقی رہی اس وقت تک اصلاح ہوتی رہی لیکن جب انہوں نے غلطیوں کو گوارا کرلیا اور غلطیوں کو بنظر تسامح دیکھنے لگے تو خرابی پیدا ہوگئی اس لئے حدیث میں آیا ہے: " الدین النصیحۃ (دین نصیحت کا نام ہے)

[3] آں حضرتؐ کے چچا۔ آپ سے تین برس عمر میں بڑے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد مدینہ میں ہجرت فرمائی تھی۔ ۳۲ھ میں بزمانۂ خلافت حضرت عثمان وفات پائی جب کہ آپ کی عمر ۸۸ سال تھی اور بقیع میں دفن ہوئے۔

(صفۃ الصفوۃ ص ۲۰۳)

ایک پرنالی کو اکھاڑ دینے کا حکم دیا جس کا پانی صفا اور مروہ کے درمیان گرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "تم نے اس پرنالی کو اکھڑوا دیا ہے جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایسی صورت میں آپ ہی کے ہاتھ اس کو اپنی جگہ پر رکھیں گے اور اس کے لئے عمر کے کندھوں کے سوا کوئی سیڑھی نہ ہوگی"۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں پر چڑھ کر اس پرنالی کو اپنی جگہ پر لگا دیا۔

چھوٹوں کے ساتھ شفقت، ارشاد اور تادیب (ادب سکھانا) کے ساتھ پیش آنا چاہئے اور ان کو یہ بتانا چاہئے کہ کس چیز میں ان کی بھلائی ہے نہ یہ کہ جو ان کی خواہش ہے اس کے مطابق عمل کرنے کو کہا جائے بلکہ جو ان کے لئے بہتر ہے اس کی ہدایت کرنی چاہئے نہ یہ کہ ان کی پسند کا خیال رکھا جائے اور ان کو لایعنی باتوں پر پھٹکارنا چاہئے۔

دیکھو اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی جب کہ انھوں نے اپنی قوم کو منہیات سے زجر و توبیخ چھوڑ دی کس طرح مذمت کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ (کاش ربانی اور احبار (علمائے یہود) ان کو گناہ کی باتوں سے اور حرام خوری سے منع کرتے)

استاد کے ساتھ صحبت یہ ہے کہ اس کے امر و نہی کی پیروی کی جائے اور یہ درحقیقت خدمت ہے نہ کہ صحبت۔ حضرت ابو منصور المغربی سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضرت عثمان کے ساتھ کس طرح مصاحبت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان کی خدمت کی نہ کہ ان کی مصاحبت۔

استاد کی خدمت بجا لانا اور صبر کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرنا اور اس کی مخالفت کو ظاہر و باطن میں ترک کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ان کی باتوں کو قبول کرنا اور جو کچھ (راہِ سلوک میں) پیش آئے اس کے متعلق اس سے رجوع کرنا اور اس کی تعظیم اور حرمت کا خیال رکھنا اور علانیہ اور پوشیدہ اس پر اعتراض کرنے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: فلا و ربك لا يومنون حتّٰى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا

یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما (قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ ایمان والے نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے جھگڑے میں تم کو حکم نہ بنائیں اور دل میں تمھارے فیصلہ کے متعلق کوئی شک نہ کریں بلکہ اس کے آگے اپنا سر جھکا دیں اور اس کو تسلیم کر لیں۔

کہا گیا ہے شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بعض احباب نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا۔ وہ اس کے متعلق حجت کرنے لگے تو آپ نے یہ آیت پڑھی: "فان لم تؤمنوا لی فاعتزلون" (اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ کو دا اپنے حال پر) چھوڑ دو)

شیخ کی صحبت میں اس طرح رہنا چاہئے جیسا کہ صحابہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ قرآن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کے آداب اس طرح بتا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یآیھا الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہٖ (اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے آگے نہ بڑھو یعنی جس قدر تم کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو اس سے تجاوز نہ کرو)

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو) اور فرماتا ہے: لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (تم رسول کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو) بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جو کوئی اس شخص کی حرمت کا خیال نہ رکھے جس سے اس نے ادب سیکھا ہے تو وہ ادب کی برکت سے محروم رہے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو اپنے استاد سے "کیوں" کہہ کر سوال کرے گا تو کبھی فلاح حاصل نہیں کرے گا۔

خادم کے ساتھ برتاؤ لطف و نرمی کے ساتھ ہونا چاہئے اور اس کو دعا دینی چاہئے اور اگر اس سے کوئی بات سرزد ہو تو اس پر (فوراً) اعتراض[1] نہیں کرنا چاہئے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ معمولی معمولی غلطیوں پر زجر و توبیخ نہیں کرنی چاہئے جس سے کہ وہ بیزار ہو جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت دس سال تک کی لیکن آپ نے نہ مجھ پر اظہار ناراضی کیا اور نہ مجھ کو جھڑکا اور اگر کوئی کام میں نے کیا تو یہ نہیں کہا کہ کیوں کیا اور اگر نہیں کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔"

اکثر آپ مجھ سے مزاح بھی فرماتے اور مجھ کو "یاذالاذنین" (اے دو کانوں والے) کہہ کر بلاتے تھے۔

غربا کے ساتھ برتاؤ بشاشت، مسرت، کشادہ رُوئی اور حُسنِ ادب سے کیے جانے کا ہونا چاہیئے اور یہ تم کو غور کرنا چاہیئے انہوں نے تمہاری تعظیم کر کے اور تمہارے پاس آ کر اور تمہاری جانب متوجہ ہو کر تم کو تمہارے ہمسروں میں ممتاز کیا۔ پھر ان کی خدمت اور اکرام و تعظیم میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے۔ ان کی خواہشات کو سکون کے ساتھ سننا اور اُن کی فرمائشات پر صبر کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: الذین یحبون من ھاجر الیھم (وہ لوگ دوست رکھتے ہیں ان کو جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے) پھر فرمایا: والذین اٰووا ونصروا اولٰئک بعضھم اولیاء بعض (اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں)

جاہلوں سے میل جول

جہال کے ساتھ صحبت، صبر، حسن خلق، مدارات کے ساتھ ان کی سختی کو برداشت کرنے اور ان کو بہ نظر رحمت دیکھتے ہوئے ہونی چاہیئے اور مرید کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس پر اللہ کا کس قدر فضل و احسان ہے کہ اس نے اس کو ان کے مقام پر نہیں رکھا۔ اگر ان سے کوئی ناگوار بات سرزد ہو تو حلم و تحمل سے کام لے اور ان کو اس سے زیادہ نہ کہے جو انبیاء نے اپنی قوم کو کہا جب کہ قوم نے ان کو ضلالت، سفاہت اور جہالت کی طرف منسوب کیا۔ قرآن مجید میں ہے: "قال یٰقوم لیس بی ضلالۃ ولٰکنی رسول من رب العٰلمین" (یعنی اے قوم مجھ میں گمراہی نہیں ہے لیکن میں رب العلمین کی طرف سے بھیجا گیا ہوں) اور کہا ہے مجھ میں نہ سفاہت ہے اور نہ جہالت۔ نیز قرآن میں ہے: "واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما" (جب کہ جاہلوں نے ان سے خطاب کیا تو انہوں

نے کہا سلام) نیز فرمایا: "سلم علیکم لا نبتغی الجاھلین" (تم کو سلام ہم جاہلوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے)

جس شخص کا جہل زیادہ قوی ہو اس سے حلم اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "قل للذین امنوا یغفروا للذین لا یرجون ایام اللہ" (کہو ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو معاف کر دیں جو امید کے دنوں[1] کی امید نہیں رکھتے) نیز فرمایا: "وان تصبروا و تتقوا فان ذلك من عزم الامور" (اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ بڑے عزم کی بات ہوگی)

ایک شخص نے حضرت شعبی[2] کو گالی دی اور فحش کلامی کی حضرت شعبی نے اس کو کہا:
"اگر تم سچے ہو تو اللہ مجھ کو معاف کرے اور اگر تم جھوٹے ہو اللہ تم کو معاف کرے۔"

اہل وعیال سے برتاؤ

بیوی بچوں کے ساتھ برتاؤ شفقت و مدارات کے ساتھ رکھے اور ان کو ادب سکھائے اور خدا کی طاعت پر آمادہ کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "قوا انفسکم واھلیکم نارا" (بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے)

اور اپنی بیوی کے ساتھ خصوصیت سے اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرے کیونکہ اس نے فرمایا ہے: "فامساك بمعروف او تسریح باحسان" (یا تو نیکی کے ساتھ اپنی بیویوں کو رکھو یا احسان کر کے ان کو علیحدہ کر دو) اور ان پر دستور کے مطابق اپنی حلال کمائی خرچ کرے۔

---

[1] ایام امید (امید کے دنوں) سے مراد وہ واقعات ہیں جن میں اللہ نے کافروں پر عذاب نازل کیا اور ایمان والوں کو ان پر فتح ونصرت عطا کی۔

[2] ان کا نام عامر بن شراحیل ہے۔ کنیت ابوعمرو الکوفی ہے۔ شعب ہمدان کے رہنے والے تھے۔ مختلف صحابہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ثقات تابعین میں سے ہیں۔ ۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۹ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۶۹)

لڑکوں کے ساتھ میل جول کم سن لڑکوں کے ساتھ صحبت رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں آفتیں ہیں اور اگر کسی کو اس مصیبت میں گرفتار رہنا ہی پڑے تو اس کو چاہئے کہ سلامت روی اور حفاظت قلب وجوارح کے ساتھ ان سے میل جول رکھے اور ان کو ریاضت کرنے اور ادب سیکھنے اور لہو ولعب سے بچنے کی ترغیب دیتا رہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ چھوٹوں کا بڑوں کی صحبت میں رہنا خدا کی توفیق اور (خود اس کی) ہوشیاری کی دلیل ہے لیکن بڑوں کا چھوٹوں کی صحبت میں رہنا موجب شرمساری وحماقت ہے۔

اخوانِ طریقت کے ساتھ برتاؤ اخوان طریقت کے ساتھ میل جول اس طرح ہو کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ موافقت کی جائے اور ان کی مخالفت کو ترک کیا جائے بجز ان باتوں کے جن کو شریعت نے جائز نہیں رکھا اور کینہ اور حسد سے پرہیز کیا جائے اور اس چیز کو اختیار کیا جائے جس میں ایک دوسرے کی سلامتی ہو۔

بادشاہ کے ساتھ مصاحبت بادشاہ[1] کے ساتھ برتاؤ اس طرح ہو کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے اور اطاعت و فرمانبرداری کو ملحوظ رکھا جائے بجز ان امور کے جن سے اللہ کی معصیت اور رسول اللہ کی مخالفت ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اطیعوا اللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم (اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور ان کی جو تم میں حکمران ہوں) اور اس کے حق میں دعا دیتا رہے اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات دیکھے تو اس پر اعتراض کرنے سے باز رہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے جب آپ کو

---

[1] حدیث میں ہے: "لا طاعۃ مخلوق فی معصیۃ الخالق" (مخلوق کی طاعت اللہ کی معصیت میں نہیں ہے)

حجاجؒ کے مرنے کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: "اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنے زمانہ[2] کو پہچانا اور اپنی زبان کی حفاظت کی اور اپنے حاکم کے ساتھ مدارا[3] کیا۔
بادشاہ کے پاس جانے کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر وہ عادل ہے تو وہ ان سات لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا جب کہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔ ایسے بادشاہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔
لیکن اگر بادشاہ ظالم[4] ہے تو اس سے دوری واجب ہے بجز اس کے کوئی شخص (دادخواہی کے لئے) مجبور ہو جائے یا یہ کہ اس کو نصیحت کی ضرورت ہو یا اس کے کسی فعل پر اعتراض ضروری ہو جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ غالباً (بادشاہ کی) قربت سے سلامت رہے گا۔
حکایت ہے کہ بعض خلفاء نے حضرت بشر[5] حافی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرنی چاہی جب

---

[1] حجاج بن یوسف الثقفی: عبدالملک بن مروان کی جانب سے حجاز، عراق اور خراسان کا عامل رہا ہے۔ ہزاروں بے گناہ آدمیوں کا اس نے خون بہایا۔ ظلم و ستم میں مشہور تھا۔ بڑا فصیح، بلیغ بڑا بہادر شخص تھا ۹۵ھ میں فوت ہوا۔

[2] زمانہ کو پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ حالات زمانہ کو ملحوظ رکھا اور اس کے بموجب عمل کیا۔

[3] مدارا سے مراد ان کے ظلم و ستم کو انگیز کرنا اور پردہ داری کرنا جیسا کہ خواجہ حافظ نے فرمایا ہے: ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستان تلطف با دشمناں مدارا

[4] مصنف نے جب یہ کتاب لکھی اس وقت مسلمانوں میں خلافتِ راشدہ ختم ہو چکی تھی اور شخصی اور جابرانہ حکومت کی بنیاد پڑ چکی تھی اس لئے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے صوفیہ کرام کا جو طرزِ عمل تھا اس کو بیان کیا ہے ورنہ اسلام کے احکام کی بموجب ظالم بادشاہ کے پاس سچی بات کہنا بڑے ثواب کی بات قرار دی گئی اور خلافت راشدہ کے زمانے میں ایک عامی کو بھی خلیفہ وقت کو ٹوکنے کی آزادی حاصل تھی۔

[5] بشر بن الحارث، بشر حافی کے نام سے مشہور ہیں۔ حدیث کے بڑے عالم اور زہد و تقوٰی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ابراہیم حربی کا قول ہے بغداد سے ایسا عقلمند اور اپنی زبان کو محفوظ رکھنے والا کوئی شخص نہیں نکلا۔ ۲۲۷ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۴۵)

آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس کے بعد پھر اس کا ذکر کیا جائے گا تو میں اس کے حدود بغداد سے نکل کر چلا جاؤں گا۔ یہ سُن کر خلیفہ چپ ہو رہا۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ جو سلطان کے ساتھ دنیا کی عزت میں شریک ہو تو اس نے آخرت کی ذلت میں شرکت کی۔ یہ کہا گیا ہے کہ بد لوگوں کا نیک لوگوں کے نزدیک آنا دونوں کے لئے بھلا ہے لیکن نیکوں کا بُروں کے پاس جانا دونوں کے لئے فتنہ ہے۔

اگر کوئی شخص سلاطین کے پاس جانے پر مجبور ہو جائے تو اس کو چاہئے ان کو اصلاح حال کی دعوت دے، وعظ و نصیحت کرے اور مقدور بھر ان کے قابل اعتراض باتیں ان پر ظاہر کرے۔

بعض مشائخ ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے سلاطین کا تقرب اس لئے حاصل کیا کہ لوگوں کی حاجت براری ہو جائے۔ زیدؓ[1] بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گزشتہ انبیاء میں سے ایک نبی بادشاہ کا رکاب پکڑ کر چلتے تھے اور اس طرح اس کو مالوف و متوجہ کر کے لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ دانیال نبی تھے جو بخت نصر کے ساتھ تھے۔

ابن عطا[2] کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص ربانی عمل سے جاہ و مرتبہ اس لئے حاصل کرے کہ اس کی وجہ سے کوئی مومن اچھی زندگی بسر کر سکے تو یہ عمل اس کے لئے اس خالص عمل سے زیادہ بہتر ہے جس میں وہ اپنے نفس کی نجات کا خواہاں[3] ہو۔

---

[1] زید بن اسلم العدوی ابو اسامہ مدینہ کے فقیہ ہیں۔ متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۹۵)

[2] عبدالوہاب بن عطاء العجلی المحدث۔ ان کی کنیت ابو النصر الخفاف العجلی ہے بہت سے حفاظ حدیث سے روایت کی ہے۔ اکثر محدثین ان کو ثقہ مانتے ہیں۔ بہت صالح اور رقیق القلب تھے۔ ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۰۹)

[3] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "ریاء العارفین خیر من اخلاص المریدین" یعنی عارفوں کی ریاء مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے کیونکہ مرشد بعض افعال (باقی اگلے صفحہ پر)

عوام کے ساتھ برتاؤ ایسا ہونا چاہئے جیساکہ (آں حضرتؐ کے صحابی) ابوضمضمؓ کا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا "کیا تم سے کوئی ابوضمضم کی طرح نہیں ہوسکتا جو صبح و شام کہتے ہیں : "اللھم انی قد وھبت نفسی و عرضی لك اللھم انی قد تصدقت بعرضی علیٰ عبادك فمن شتمنی لا اشتمہ و من ظلمنی لا اظلمہٗ" (اے خدا میں نے اپنے نفس اور آبرو کو تجھے ہبہ کردیا۔ اے اللہ میں نے اپنی آبرو کو تیرے بندوں پر صدقہ کردیا جو مجھ کو گالی دے گا میں اس کو گالی نہ دوں گا اور جو مجھ پر ظلم کرے گا میں اس پر ظلم نہ کروں گا)

حضرت ابوعبداللہ بن خفیف کہتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور حضرت ابوعمروالزجاجی کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھا۔ جب گفتگو شروع ہوئی تو انہوں نے مجھ کو تاڑنا شروع کیا اور جب بہت کچھ تاڑ چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا اس سے ابن خفیف کی ذات[1] مراد ہے ؛ تو انہوں نے کہا : "ہاں" میں نے کہا ان کو شیراز میں چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ متبسم ہوگئے۔

شاہ ابن شجاع کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص مخلوق کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اس کا جھگڑا ان کے ساتھ طول کھینچتا ہے اور اگر وہ ان کو حق تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو وہ ان کو ان امور میں جس میں وہ منہمک ہیں، معذور رکھتا ہے اور ان کے ساتھ اپنی مصروفیت کو کم کردیتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اپنے مریدوں کو دکھانے کے لئے کرتا ہے تاکہ وہ دیکھ کر اس کی پیروی کریں یہ بھی گویا ریا کی ایک شکل ہے۔ لیکن چونکہ نیت اچھی ہے اس لئے محمود ہے اور چونکہ نفع عامہ اس سے مقصود ہے اس لئے اس شخصی اخلاص سے اس کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

(صفحہ ہذا) [1] اس کا مطلب یہ ہے کہ ذات اور شخصیت کو انہوں نے بہت دور چھوڑ دیا اس لئے اعتراض اور ملامت کا موقع نہیں رہا۔

اعضاء وجوارح کا ادب شاہ بن شجاع نے کہا کہ انسان کے ہر عضو کا ایک ادب ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولاً" (بے شک کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی)

خدا کے ساتھ حُسنِ ادب بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اللہ کے ساتھ حسنِ ادب یہ ہے کہ انسان کا کوئی عضو بجز رضائے الٰہی کے حرکت نہ کرے۔

زبان کا ادب زبان کا ادب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے تر رہے اور اپنے بھائیوں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرے اور ان کو دعا دیتا رہے اور ان کو وعظ ونصیحت کرے اور ایسی بات نہ کہے جو ان کو ناگوار ہو۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میرا باپ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا: دوزخ میں۔ پھر اس کے چہرہ پر ناگواری کا اثر دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ "تیرا باپ، میرا باپ، ابراہیم کا باپ ایک ہی جگہ ہیں" نیز مرید کی غیبت نہ کرے نہ چغل خوری کرے اور نہ گالی دے اور نہ بیکار باتوں میں منہمک ہو اگر وہ کسی جماعت میں ہو توجب تک وہ کام کی باتیں کرتے رہیں۔ ان سے گفتگو کرے لیکن جب وہ بے کار باتیں کرنے لگیں ان کو چھوڑ دے یا خاموش ہو جائے۔ ہر جگہ وہاں کی حالت کے مطابق گفتگو کرے کیونکہ کہا گیا ہے کہ ہر مقام کے لئے ایک مقال ہے۔ اللہ نے زبان کو قلب کا ترجمان اور خیر وشر کی کنجی بنایا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اگر تم اپنے قلب کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ طالب کو چاہئے کہ خاموشی اختیار کرے کیونکہ خاموشی جاہل کے لئے پردہ پوشی اور عقلمند کے لئے زینت ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں کو ان کی زبان سے کاٹی ہوئی پیداوار منہ کے بل گرائے گی۔"

کان کا ادب کان کا ادب یہ ہے کہ وہ فحش اور بیہودہ باتوں اور غیبت اور چغلخوری

اور ہر قسم کی بُری باتوں کو نہ سُننے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

احب الفتیٰ ان ینفی الفحش سمعہ

کانّ بہ عن کل فاحشتہ وَقرُ

(پسندیدہ شخص وہ ہے جو بُرائی کو اپنے کانوں سے دُور رکھے گویا کہ ہر فحش بات کے سننے سے اس کے کان بند ہیں) بلکہ ذکر و موعظت و حکمت کی باتوں کو سنے اور ایسی باتیں سُنے جس سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ حاصل ہو اور جو کوئی اس سے گفتگو کرے اس کو توجہ کے ساتھ سنے۔

آنکھ کا ادب آنکھ کا ادب یہ ہے کہ حرام چیزوں کو اور (عام طور پر) لوگوں اور (بالخصوص) اپنے بھائیوں کے عیوب اور منکرات و محرمات کو دیکھنے سے آنکھ بند کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛" یعلم خائنۃ الاعین و ماتخفی الصدور (اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور جو سینوں میں چھپی ہوئی باتیں ہیں)

کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ کی فرمانبرداری کرے گا تو اس کو اپنی موت کے پیچھے جانا پڑے گا۔ نیز کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنی آنکھ بند کرے گا تو اس کا ظرف کامل ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس شخص کی نظر بازی زیادہ ہوگی اس کی حسرتیں بھی زیادہ ہوں گی۔

اس کی نگاہ عبرت کے لئے اور اللہ کی قدرت و عظمت اور اس کی صنعت کی خوبصورتی پر استدلال کے لئے ہونی چاہئے اور نفسِ امّارہ کی خواہشات سے اس کو عاری ہونا چاہئے۔

حکایت ہے کہ ایک صوفی نے کسی کو شہوت کی نظر سے دیکھا۔ خواب میں اس نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا کہ اللہ فرماتا ہے : دنیا میرا گھر ہے اور مخلوق اس میں میرے بندے اور کنیزیں ہیں۔ پس جو شخص بغیر کسی حق کے ان کو دیکھے گا اس نے میرے ساتھ خیانت کی"۔ وہ گھبرا کر ہوشیار ہو گیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کسی شخص کو بجز امانت[1] کی حد کے نہ دیکھے گا۔

---

[1] یعنی اس کا دیکھنا خیانت میں داخل نہ ہو اور ناجائز نہ کہا جائے۔

حضرت ابو یعقوب النہرجوری سے حکایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے طواف میں ایک انسان کو دیکھا جس کی ایک ہی آنکھ تھی اور وہ یہ دُعا مانگ رہا تھا: "اللھم انی اعوذ بک منک" (اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں) میں نے کہا یہ کیا دعا ہے اس نے کہا کہ میں مکہ میں کوئی ۵۰ سال سے مجاور ہوں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا اور وہ مجھ کو اچھا معلوم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طمانچہ میری آنکھ پر پڑا جس سے میری آنکھ رخسار پر بہ پڑی۔ میں نے آہ کی۔ جواب ملا ایک نظر کے لئے ایک طمانچہ اور اگر تم زیادہ کروگے تو ہم بھی زیادہ کریں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرمایا: خبردار ایک نگاہ کے بعد دوسری نگاہ نہ پڑے کیونکہ پہلی کی اجازت ہے دوسری کی نہیں"۔[1]

قلب کے آداب قلب کے آداب یہ ہیں کہ اچھے اور اعلیٰ احوال کی مراعات رکھی جائے اور بُرے اور خراب خیالات کو دور کیا جائے اور اللہ کی نوازشوں اور نعمتوں اور عجائبات میں غور و فکر کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض" (اور وہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گھڑی بھر کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

قلب کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن رکھے۔ کینہ، دھوکا، حسد، خیانت اور بدعقیدگی سے دل کو پاک کرے کہ یہ چیزیں قلب کی خیانتوں میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ان السمع والبصر والفواد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا" (بیشک کان، آنکھ اور دل ہر ایک کی نسبت پوچھا جائے گا)

---

[1] یعنی جو نگاہ بے اختیار بغیر قصد و ارادہ کے پڑ جائے وُہ جائز ہے دوسری نگاہ کے وقت احتیاط کرنی چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " دیکھو آدمی کے جسد میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوگا اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جائیگا۔ اور وہ قلب ہے "

حضرت سری بن المغلس السقطی نے کہا ہے کہ دل تین طرح کے ہوتے ہیں ؛ ایک دل پہاڑ کی طرح ہوتا ہے کہ اس کو کوئی چیز متحرک نہیں کرتی اور ایک دل پرکاہ کی طرح ہوتا ہے ، ہر موج ہوا اس کو حرکت میں لاتی ہے اور ایک دل کھجور کے درخت کی طرح ہے کہ اس کی جڑ تو مضبوط ہوتی ہے لیکن ہوائیں اس کو سیدھے بائیں جھکاتی رہتی ہیں[1]۔

ہاتھ کا ادب ہاتھ کا ادب یہ ہے کہ بذل و احسان اور بھائیوں کی خدمت کرے اور اپنے ہاتھوں سے معصیت کا کوئی کام نہ کرے۔

---

[1] خواجہ صاحب فرماتے ہیں جو دل پہاڑ کی طرح ہو وہ تمکن کا دل ہے اور تمکن وہ ہے کہ جس کو اپنی جگہ سے بلائیں اور مصیبتیں اور نعمتیں نہیں ہلاتیں۔ پرکاہ دل وہ دل ہے کہ نقصان سے کبھی کمال کی طرف اور کبھی کمال سے نقصان کی طرف جاتا ہے اور جو دل درخت خرما کی طرح ہے وہ بھی دراصل تمکن دل ہے بظاہر حوادث کا اس پر اثر ہوتا ہے لیکن وہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ایک معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وصفت دل عوام کا ہے جس میں جامد الطبع معتزلہ بھی داخل ہیں جن کے لئے قرآن میں " کالحجارۃ او اشد قسوۃ " کے الفاظ استعمال ہوئے یعنی ان کے دل پتھر کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ شیوخ ان کو ہر چند حق تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اس کی تجلیات کی جانب اشارہ کرتے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اپنے جمود و انکار پر قائم رہتے ہیں پرکاہ کی مانند وہ دل ہے جس میں قابلیت ہوتی ہے لیکن بیچارہ حوادث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کبھی اس پر تجلی ہوتی ہے اور کبھی حجاب پڑ جاتا ہے۔ جو دل کھجور کے درخت کی طرح ہے وہ متوسطین کا دل ہے اگرچہ اس کو ثبات اور تمکن تو حاصل ہوتا ہے لیکن حوادث کا اثر اس پر کچھ نہ کچھ پڑتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں پہاڑ جیسا دل کفار کا ہوتا ہے اور پرکاہ جیسا دل منافق کا ہے اور کھجور کے درخت جیسا دل مومن صالح کا ہوتا ہے۔

پاؤں کا ادب پاؤں کا ادب یہ ہے کہ اللہ کی طاعت وعبادت اور اپنے بھائیوں کی اصلاح میں کوشش کرے اور خدا کی زمین پر فخر و تکبر کے ساتھ نہ چلے اور تبختر نہ کرے کیونکہ یہ باتیں اللہ کو ناپسند ہیں۔

صحبت کے منازل پھر صحبت کی ابتدائی منزل جان پہچان ہے پھر مودت (دوستی)، پھر الفت (محبت)، پھر عشرت (میل جول) پھر صحبت پھر اخوت (بھائی چارہ)

کہا گیا ہے نفوس کی غذا معاشرت میں اور قلوب کی غذا صحبت میں ہے اور صحبت باطن کے اتفاق کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ منافقین کی صفت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:
"تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتّٰی" (تم ان کو سمجھتے ہو اکٹھے حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں)

صحبت کے شرائط اگر صحیح ہو جائیں تو وہ اعلیٰ ترین احوال میں سے ہے۔ صحابہ کو دیکھو کہ وہ علم وفقہ وعبادت وزہد وتوکل ورضا کے لحاظ سے بزرگ ترین ہستیاں تھیں اور یہ تمام باتیں بجز صحبت کے حاصل نہیں ہوئیں جو اعلیٰ ترین وصف ہے۔

آدابِ گفتگو صوفیہ کے آداب میں یہ بھی ہے کہ ان کی گفتگو میں "یہ تیری یہ میری" "اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا"، شاید، عنقریب، کیوں، کیا تم نے ایسا نہیں کیا، یا اسی قسم کی باتیں نہیں ہوتی ہیں کیونکہ یہ عوام کے اخلاق ہیں۔

حضرت ابراہیم[1] بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم اس شخص کو اپنی صحبت میں نہیں رکھتے تھے جو یہ کہے کہ میرا کام ہے۔

نیز ان کے درمیان کسی چیز کا عاریت لینا یا دینا نہیں ہوا کرتا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ صوفی نہ کسی کو عاریت دیتا ہے اور نہ عاریت لیتا ہے اور نہ ان کے درمیان

---

[1] ان کی کنیت ابو اسحاق ہے۔ مشائخین صوفیہ میں سے تھے عبداللہ مغربی اور ابراہیم الخواص کی صحبت اٹھائی تھی۔ ۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم ج ۶ ص ۳۶۰)

لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اور نہ ٹھٹھول مذاق اور نہ مزاحمت، نہ مقابلہ، نہ غیبت، نہ چغلخوری، نہ بدگوئی اور نہ کسی کی منقبت اور نہ مذمت، بلکہ اُن میں سے ہر ایک بڑوں کے لئے مثل فرزند کے اور برابر والے کے لئے مثل بھائی کے، اور چھوٹے کے لئے مثل والد کے، اور استاد کے لئے مثل خادم کے ہوتا ہے۔

آداب مجلس و انتخاب صدر

اُن کے آداب میں سے ہے کہ جب وہ کسی جگہ جمع ہوتے ہیں تو اپنے میں سے کسی کو صدر بنا لیتے ہیں تاکہ اس کی طرف رجوع کرسکیں اور اس پر اعتماد کرسکیں اور ایسا شخص ان سب میں زیادہ عقلمند اور عالی ہمت اور اعلیٰ حالت رکھنے والا اور سب سے زیادہ مذہب (صوفیہ) سے واقف اور مسن ہوتا ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو کتاب اللہ کو زیادہ پڑھا ہوا ہو اور اگر سب اس میں برابر ہوں تو ان میں جو دین سے زیادہ واقف ہو اور اگر وہ اس میں بھی برابر ہوں تو ان میں سب سے زیادہ شریف اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس نے سب سے پہلے ہجرت کی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ ایک تنگ چبوترہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اہل بدر سے چند لوگ آئے انہیں بیٹھنے کے لئے جگہ نہ ملی۔ آپ اُٹھ گئے اور جو لوگ اہل بدر سے نہیں تھے ان کو جگہ دینے کے لئے کہا۔ یہ بات انھیں ناگوار گزری۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

"واذا قیل انشزوا فانشزوا یرفع اللہ الذین آمنوا منکم درجات" (اور جب تم کو کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جاؤ اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو ایمان لائے ہیں)

پھر جو صدر ہو وہ اخلاق کے لحاظ سے ان میں بہترین اور مجاہدہ میں بڑھا ہوا ہو اور آداب میں کامل ہو اور مشائخ کے ملنے میں سبقت رکھتا ہو۔

حکایت ہے کہ حضرت علی[1] بن بندا حضرت صوفی عبداللہ الخفیف کے پاس بغرض

---

[1] علی بن بندار بن الحسین، کنیت ابو الحسن ہے۔ نیشاپور میں ابو عثمانؒ اور ابو الحفصؒ (باقی اگلے صفحہ پر)

زیارت نیشاپور سے آئے۔ جب دونوں مل کر چلے حضرت عبداللہ نے ان کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے کہا: "یہ کس استحقاق کی بنا پر؟" حضرت عبداللہ نے جواب دیا: "آپ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مل چکے ہیں اور میں ان سے نہیں ملا۔"

شیوخ کی خدمت وہ شخص کرے جو سب سے زیادہ نیت میں سچا اور بردبار اور قوی دل ہو۔ دیانت، امانت اور حفاظت میں بڑھا ہوا ہو اور اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کے متعلق کم سے کم اہتمام رکھتا ہو کیونکہ خدمت مشیخت (پیری) کا دوسرا درجہ ہے جیسا کہ سیدالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں وارد ہوا ہے "قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔"

کہا گیا ہے کہ جب تم کسی انسان کی صحبت اختیار کرو تو اس کی عقل کو اس کے دین سے زیادہ پرکھو کیونکہ دین اس کے لئے ہے اور عقل تمہارے لئے، اور ایسے شخص کی صحبت اختیار نہ کرو جس کی ہمت اور توجہ دنیا، نفس اور خواہشات میں لگی ہوئی ہے۔

خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاعرض عن من تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا (اس شخص سے روگردانی کرو جو ہمارے ذکر سے منہ پھیر چکا ہے اور سوائے دنیوی زندگی کے کچھ نہیں چاہتا) نیز فرمایا: "ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ" (اور اس کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا وہ اپنی خواہشات کا پیرو ہو گیا)

صوفی کو لوگوں کے عیوب نہیں بیان کرنے چاہئیں کیونکہ کہا گیا ہے جس نے لوگوں کے عیوب بیان کئے اس نے اپنے عیوب کی گواہی دی کیونکہ وہ ان کا ذکر اسی مقدار سے کرتا ہے جو خود اس میں موجود ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور سمرقند میں محمد بن فضل اور بلخ میں محمد حامد اور جوزجان میں ابوعلی الجوزجانی، یوسف بن الحسین اور بغداد میں جنید، رویم اور سمنون، ابن عطاء اور حریری کی اور شام میں ابوعبداللہ الجیلانی اور مصر میں دقاق اور رودباری کی صحبت اٹھائی۔ حدیث کی روایت بھی کی ہے۔ ۳۸۹ھ میں وفات پائی۔
(المنتظم جلد ۷ ص ۵۰)

حضرت ابوعثمانؒ[1] حیری سے صحبت کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا "اپنے مال سے اپنے بھائی کے لئے کشائش پیدا کر اور اس کے مال میں طمع مت رکھ۔ اپنے نفس سے اس کے بارے میں انصاف کر اور اس سے انصاف طلب نہ کر۔ اس کے پیچھے رہ اس کو پیچھے رکھنے کی کوشش نہ کر۔ جو کچھ اس سے تجھ کو پہنچے اس کو زیادہ سمجھ، جو تو اس کو دے اس کو کم سمجھ۔"

حضرت محمد داؤد[2] الرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کس کی صحبت مجھ کو اختیار کرنی چاہیئے؟ انہوں نے کہا: اس شخص کی جو تم سے اس طرح واقف ہو جیسا کہ خدائے تعالیٰ اور پھر تم اس سے مامون و محفوظ رہو[3]۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ مجھ کو مصیبت میں مبتلا نہیں کیا مگر اس شخص کی صحبت نے جو میرے نزدیک قابلِ احترام نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ بھائیوں سے ملنے میں فراق کی وحشت کی وجہ سے اُنس نہیں ہوتا[4]۔

---

[1] ان کا نام سعید بن اسمٰعیل ہے۔ نیشاپور کے شیوخ اور کبار صوفیہ میں سے ہیں، وعظ بھی فرماتے تھے۔ ابو حفص نیشاپوری کی صحبت اٹھائی تھی۔ مستجاب الدعوات اور بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں۔ ۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

(مراۃ الجنان ج ۲ ص ۲۳۲)

[2] غالباً ابراہیم بن داؤد القصار مراد ہیں جن کی کنیت ابواسحاق الرقی تھی۔ سلمی کا قول ہے کہ وہ مشائخ شام کی بزرگ ترین ہستی تھے۔ جنیدؒ کے ہمعصر تھے۔ ۳۲۶ھ میں وفات پائی۔ (المنتظم ج ۶ ص ۲۹۴)

[3] مطلب یہ ہے کہ تمہاری کوئی بھی بات اس سے چھپی ہوئی نہ رہے باوجود اس کے تم کو اس سے یہ ڈر نہ ہو کہ وہ تمہارے راز فاش کر دے گا اور تم کو بدنام یا مصیبت میں مبتلا کرے گا۔

[4] یعنی ہردم مذاق کا ڈر لگا رہتا ہے۔ حضرت جامی کا قطعہ اس مضمون میں بہت خوب ہے۔ فرماتے ہیں:

درین نشیمن حرماں بکس مکن پیوند!!!!   کہ ہر کسے کہ نہی دل بر آشنائی او
اگر مخالف طبع تو باشد اوضاعش   عذاب روح شود صحبت ریائی او
وگر موافق طبع تو باشد اخلاقش   مذاق مرگ دہد شربت جدائی او

کہا گیا ہے کہ بزرگی تین چیزوں میں ہے ؛ بڑوں کی عزّت کرنا اور ہمسروں کی مدارات اور کم درجہ کے شخص سے نفسانیت کو دُور کرنا۔

کہا گیا ہے کہ ہم نشین تین ہیں ؛ ایک وُہ جس سے تم استفادہ کرسکو۔ اس کو ہرگز نہ چھوڑو۔ دُوسرا وہ ہے جس کو تم فائدہ پہنچا سکو اس کی عزت کرو۔ تیسرا وُہ ہے جس سے نہ تم مستفید ہوسکو اور نہ وہ تم سے فائدہ اٹھا سکے ، اس سے بھاگو۔

ان کے آداب میں غرور و تکبر اور چیرہ دستی کو چھوڑنا ہے۔ ابوعلی رود باری[1] نے کہا ہے کہ چیرہ دستی اس شخص پر جو تم سے اوپر ہے بے شرمی ہے اور برابر والے سے بے ادبی ہے اور جو نیچے ہے اس پر چیرہ دستی کمزوری ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جس کو ولایت حاصل ہو اور وہ اس پر فخر و تکبر کرے تو اس نے اس بات کی خبر دی کہ اس کا مرتبہ اس سے کم ہے اور جس نے تواضع کو اختیار کیا تو معلوم ہُوا کہ اس کا مرتبہ اس سے برتر ہے۔

کہا گیا ہے کہ انسان کے نفس کی خود پسندی اس کی عقل کی خرابی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ؛ "تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً فى الارض و لا فسادا۔" (یہ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں برتری نہیں چاہتے اور نہ فساد کے درپے ہیں)

متادب کسی مسلمان کو حقیر سمجھنے سے ڈرے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ انسان کے لئے یہ بُرائی ہے کہ وُہ اپنے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جو کسی مومن مرد یا عورت کو ذلیل سمجھے یا اس کے فقر اور بے مائگی کی

---

[1] ان کا نام احمد بن محمد بن قاسم ہے۔ بغداد کے رہنے والے ہیں لیکن مصر میں سکونت اختیار کی تھی۔ حدیث کے عالم تھے۔ ابراہیم حیری سے حدیث کی سند لی تھی۔ فقہ میں ابوالعباس ابن شریح کے شاگرد ہیں اور نحو ثعلب سے سیکھی تھی۔ تصوّف کی تعلیم جنیدؒ سے پائی ہے۔ ۳۲۲ھ میں مصر میں وفات پائی۔

وجہ سے اس کی حقارت کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تحقیر کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ اللہ نے اپنی پسند سے جس کو بندہ بنایا تم اس کو بھائی بنانے میں پس و پیش نہ کرو۔

(۳۰)

آدابِ ملاقات کے بیان میں[1]

اگر اس کا کوئی پیر بھائی یا اس کی جماعت کا کوئی شخص آئے کھانے پینے کی جو چیز بھی اس کے پاس ہو اس کے سامنے لا کر رکھے چاہے وہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انسان کے لئے یہ بات باعث ہلاکت و تباہی ہے کہ اس کے بھائیوں میں سے کوئی شخص اس کے پاس آئے اور وہ جو کچھ گھر میں ہے اس کو حقیر سمجھ کر پیش نہ کرے اور اس کے پاس آنے والوں کی ہلاکت ان میں ہے کہ جو چیز ان کے سامنے پیش کی جائے اس کو وہ حقیر سمجھیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملنا مکارم اخلاق سے ہے اور جس سے ملاقات کی جاتی ہے اس پر لازم ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے چاہے وہ ایک پانی کا گھونٹ ہی کیوں نہ ہو اس کو پیش کرے اگر وہ اس کو پیش نہ کرے تو اس نے وہ دن اور رات خدا کی ناراضی پر گزارا"۔

دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس معزز مہمان آئے تو انہوں نے کیا کہا۔ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے: فما لبث ان جاء بعجلٍ حنیذ ۔ فقربه الیهم۔ قال الا تاکلون" (اُن کے پاس ایک بھنی ہوئی گائے کی پاڑی کا گوشت لا کر پیش کیا اور کہا کہ آپ کیوں نہیں کھاتے)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حکایت ہے اگر ان کے بھائی ان کے

---

[1] یہ عنوان اصل کتاب میں نہیں ہے لیکن بہ مناسبتِ باب اس کو قائم کیا گیا۔

پاس جاکر اذن طلب کرتے تو اگر آپ کے پاس کھانے کو کچھ ہوتا تو ان کو اندر بلاتے ورنہ خود ان کے پاس چلے آتے اور ماحضر میں تکلف نہ فرماتے۔

حضرت ابن البختری[1] رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت سلمان[2] الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو انھوں نے ہمارے سامنے روٹی اور مچھلی پیش کی اور کھانے کو کہا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تکلف کرنے سے منع کیا ورنہ میں ضرور تمہارے لیئے تکلف کرتا۔

حضرت ابو الحفص حداد جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو انہوں نے ان کی مہمان داری میں بہت تکلف کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم خراسان آؤ تو ہم بتائیں گے کہ مہمان داری کس کو کہتے ہیں۔

جب اس کے متعلق وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ تم نے میرے ساتھیوں کو مخنث بنایا اور ان کے سامنے انواع واقسام کے کھانے اور لباس اور خوشبو لائی جاتی ہے ہمارے پاس فتوت (مہمان داری) ترک تکلف اور احضار ماحضر کو کہتے ہیں۔

پھر جب تمہارے پاس فقراء آئیں تو ان کی خدمت بلا تکلف کرو۔ اگر تم بھوکے رہو وہ بھی بھوکے رہیں اور اگر تم سیر ہو کر کھاؤ تو وہ بھی سیر ہو کر کھائیں تا آنکہ ان کا ٹھہرنا اور جانا تمہارے پاس یکساں ہو جائے۔

---

[1] ان کا نام محمد بن ابراہیم ہے۔ تحطبی کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ راویان حدیث میں سے ہیں۔ ۲۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

[2] اصفہان کے ایک قریہ کے رہنے والے تھے۔ دین حق کی تلاش میں شام وغیرہ ممالک پھرتے پھراتے مدینہ منورہ آئے اور یہاں آنے پر علامات نبوت جو عیسائی عالموں سے سن رکھے تھے دیکھ کر ایمان لائے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر ۲۵۰ برس کی تھی۔

(صفۃ الصفوۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۰)

حضرت یوسف[1] بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ذوالنون[2] مصری سے پوچھا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں تو انہوں نے کہا ایسے شخص کی جو مریض ہو کر بھی تمہاری عیادت کرے اور تم نے کوئی گناہ کیا ہو تو وہ تمہارے لئے توبہ کرے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

اذا مرضنا اتیناکم نعودکم

وتذنبون فنأتیکم فنعتذر

(جب ہم مریض ہوتے ہیں تو یا وجود اس کے تمہاری عیادت کرتے ہیں

اور تم گناہ کرتے ہو تو تمہارے پاس آکر معذرت کرتے ہیں۔)

وہ ساتھی نہیں ہے جس کو تم ساتھ چلنے کو کہو اور وہ پوچھے کہاں تک ؟

اور بدزبانی سے بچے کیونکہ اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے: "قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر"۔ (ان کے منہ سے دشمنی ظاہر ہوگئی اور جو ان کے دلوں میں چھپی ہوئی ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے)

ان میں سے بعض نے کہا ہے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک قسم مثل غذا کے ہے جس سے استغناء نہیں ہوسکتا۔ ایک قسم مثل دوا کے ہے جس کی جانب بعض وقت ضرورت ہوتی ہے اور ایک قسم مثل بیماری کے ہے جس سے بچنا اور دور رہنا ضروری ہے۔

شریر لوگوں کی صحبت سے بچنا لازم ہے۔ کہا گیا ہے کہ اشرار کی صحبت میں

---

[1] ابو یعقوب الرازی ذوالنون مصری کی صحبت اٹھائی ہے اور احمد بن حنبل سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ابوبکر انجار نے روایت کی۔ ۳۰۴ھ میں انتقال فرمایا۔

[2] ذوالنون مصری بن ابراہیم، مصر کے ایک قریہ میں پیدا ہوئے لیکن مصر میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے والد ابراہیم اسحاق بن محمد الانصاری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۵ ذیقعدہ ۲۴۲ھ میں بمقام جیزہ وفات پائی اور مصر میں تدفین ہوئی۔

خطرہ ہے اور جس نے باوجود اس کے ان کے ساتھ میل جول رکھا تو سمجھو وہ بہت مغرور[۱] رہے۔
اس شخص کی مثال دریا میں سفر کرنے والے کی سی ہے کہ اس کا بدن صحیح سلامت رہے
تو رہے لیکن اس کا دل خوف و خطر سے نہیں بچ سکتا۔
بڑی سعادت اور نیک بختی کی بات ہے کہ انسان بدمعاشوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے
کہا گیا ہے کہ جو شخص برے ساتھی کے ساتھ رہے تو وہ برائی سے نہیں بچ سکتا ہے
اور جو برے مقام میں داخل ہو تو متہم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔
کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے اور اپنے ملنے جلنے والوں
کے جیسا سمجھا جاتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ چند
لوگوں کے پاس ٹھہرے اور ان سے ارشاد فرمایا: "کیا میں تم کو بتاؤں کہ تم میں کون اچھا
اور کون برا ہے۔ تم میں اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید کی جائے اور اس کی برائی سے
لوگ محفوظ رہیں۔ اور برا وہ ہے جس سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور اس کی برائی سے
لوگ امن میں نہ رہیں۔"

(۳۱)

آداب سفر کے بیان میں

خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے: "رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله"
(وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی)۔
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:
"وہ لوگ جو سفر کرتے ہیں اور اللہ کے فضل[۲] کو چاہتے ہیں۔" نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: "سفر کرو گے تو صحت مند رہو گے اور غنیمت (فائدہ) حاصل کرو گے[۳]۔" آپ نے

---

[۱] مغرور اس لئے کہا گیا کہ اس کو اپنی سلامتی پر گھمنڈ ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس پر صحبت کا اثر نہ ہوگا۔

[۲] یہ جملہ قرآن سے ماخوذ ہے۔ مفسرین نے فضل کی تعریف منافع تجارت سے کی ہے۔

[۳] حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ سفر سے مراد خودی سے سفر تاکہ معرفت کی صحت حاصل ہو اور تجلیات اور مکاشفات کا فائدہ بطور مال غنیمت کے مل سکے۔ اس کے بعد لکھا گیا ہے کہ یہ سفر مبتدی کے لئے بغرض مجاہدہ نفس ہو سکتا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

فرمایا کہ مسافر شہید ہے اور اس کے لئے قبر کی وسعت اتنی ہی ہوگی جتنی کہ اس کے اہل وعیال سے دوری ہے۔

حضرت ابوحفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مسافر کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں توشہ کی تدبیر اور راستہ کا تعین ترک کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ اس کا محافظ ہے[1]۔

سفروں میں افضل سفر جہاد ہے۔ پھر حج، پھر زیارت مرقد مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وفد تین ہیں: حاجی، غازی اور معتمر (عمرہ کرنے والا) نیز آپ نے فرمایا: "سفر کے لئے کجاوہ بجز تین مقامات کے کسی مقام کے لئے نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) مسجد اقصی (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مدینہ منورہ جہاں آپ دفن ہیں)

پھر اس کے بعد سفر طلب العلم کے لئے ہو۔ پھر زیارت مشائخ اور برادران دینی کیلئے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رب العالمین سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

"میری محبت، مجھ سے محبت کرنے والوں اور میری زیارت کرنیوالوں کے لئے واجب ہوگئی۔"

حدیث میں ابورزین[2] سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زیارت کرو اللہ کے لئے، کیونکہ جس نے اللہ کے لئے زیارت کی

---

[1] یہ چیزیں عام مسافر کے لئے نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ خواجہ صاحب نے لکھا ہے عارف کامل کے لئے ہیں ورنہ بظاہر شریعت کا یہ حکم ہے کہ بغیر زادراہ سفر نہ کیا جائے کہ (لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا۔ وتزودوا فان خیر الزاد التقوی) راستہ کا تعین نہ کرنے میں مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی قسم کی پابندی اپنے اوپر عائد نہ کرے بلکہ جہاں کہیں اس کا دل لگے اور نظارہ قدرت اور مصنوعات سے صانع کا عرفان حاصل ہو وہاں ٹھہرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ خواجہ صاحب نے بھی یہی معنے تحریر فرمائے ہیں۔

[2] ان کا نام عبداللہ بن رزین ہے۔ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ (لسان المیزان ج ۳ ص ۲۸۵)

اس کی مشایعت کے لئے ستر ہزار فرشتے یہ کہتے ہوئے بڑھیں گے کہ اے اللہ اس کے مقصد کو پورا فرما جیسا کہ اس نے تیرے لئے ہی قصد کیا ہے اور ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ خوش ہو اور تمہارا انجام نیک ہو اور تمہاری جگہ جنّت میں بنے۔"

اس کے بعد سفر ظلم کو دور کرنے اور اپنی ذمہ داری (استحلال) کو پورا کرنے کے لئے یا پھر آثار کو ڈھونڈنے اور عبرت حاصل کرنے اور ریاضت نفس کے لئے ہو اور (اس میں وہ) شہرت سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

محض تفریح، بڑائی اور خود نمائی اور شہروں[1] میں گھومنے کے لئے سفر نہ کیا جائے۔

حضرت ابو تراب[2] نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مرید کے لئے خواہشات نفس کی خاطر سفر کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز مضرت رساں نہیں۔ مریدوں میں اگر کوئی خرابی پیدا ہوئی ہے تو وہ بیکار سفروں ہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرًا و رئاء الناس۔	تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو اپنے شہروں سے از راہ فخر اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے نکلے ہیں۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت پر ایک زمانہ آئے گا جس میں میری امت کے مالدار، نزہت (تفریح) کے لئے حج کریں گے اور متوسط لوگ تجارت کے لئے اور ان کے اُمراء، ریا کے لئے اور ان کے فقراء سوال کے لئے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں وفد (حج کو آنے والے) بہت ہیں اور حجاج (اصلی حج کرنے والے) کم ہیں۔"

---

[1] یعنی سفر کا مقصد ہونا چاہئے۔ بے معنے شہروں میں گھومنا تضیع اوقات ہے۔

[2] ان کا نام عسکر بن الحصین ہے۔ ابو عبداللہ الجلاء کہتے ہیں کہ میں دو سو شیوخ سے ملا ہوں لیکن ان میں سے چار شیوخ کے مانند کسی کو نہیں پایا ان میں ابو تراب نخشبی صف اول میں ہیں۔ وفات صحراء میں ۲۴۵ھ میں ہوئی۔

والدین اور استاد کی رضامندی اور اجازت کے بغیر سفر نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں وہ عاق (نافرمان) ہوگا اور سفر کی برکتوں سے محروم رہے گا۔

اگر وہ کسی جماعت کے ساتھ ہو تو اس میں سے سب سے کمزور کی چال چلے اور جب ساتھی ٹھہرے تو ٹھہر جائے اور جہاں تک ممکن ہو، نماز کے اوقات میں تاخیر نہ کرے اور بجائے سواری کے پیدل چلنے کو ترجیح دے مگر یہ کہ اس کی ضرورت ہو کیونکہ اس کا سفر ریاضت اور زیادتی (فوائد) کے لئے ہے[1]۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار ہو کر حج کرنے والے کے لئے اس کی سواری کے ہر قدم پر سو نیکیاں حرم کی نیکیوں میں سے ہیں۔ کسی نے پوچھا: حرم کی نیکیاں کیا ہیں تو آپ نے فرمایا: ایک نیکی سات نیکیوں کے برابر ہے۔

روایت ہے کہ ملائکہ پیدل چلنے والوں سے مکہ معظمہ کے راستے میں معانقہ کرتے ہیں اور سواری پر چلنے والوں سے مصافحہ کرتے ہیں اور محمل میں بیٹھ کر آنے والوں کو دُور سے سلام کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی جماعت میں ہو تو ان کی خدمت گزاری میں حتی الامکان کوشش صرف کرنی اور اپنے اخراجات کا بار ان پر نہ ڈالنا چاہئے۔

حضرت عدیؓ[2] بن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کے راستہ میں کسی کا اپنے ساتھیوں کی خدمت کرنا۔"

صوفیہ کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی شہر میں داخل ہو

---

[1] حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر جمع ہمت اور فراغ خاطر اور حضور قلب مطلوب ہو تو سوار ہو کر سفر کرنا بہتر ہے۔

[2] عدی مشہور عرب کے سخی حاتم کے لڑکے ہیں۔ ۷ھ میں ایمان لائے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ ۱۰۰ سال کی عمر پائی۔ ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔

اور وہاں کوئی شیخ ہو تو اس کی زیارت کرے اور اگر نہ ہو تو فقراء کی جگہ آئے اور اگر وہاں ایسے کئی مقامات ہوں تو ان میں سے جو سب سے زیادہ قدیم اور جہاں فقراء کی جماعت زیادہ ہو اور احترام کی جگہ ہو اس کا قصد کرے۔ موضع طہارت کو تلاش کرے نیز جہاں آب رواں ہو اس جگہ اترنے کو دوسرے مقامات پر ترجیح دے۔

اور اگر وہاں ایسا کوئی مقام نہ ہو اور نہ ایسی جماعت ہو تو ایسے لوگوں کے پاس اترے جو اس گروہ سے زیادہ محبت رکھتے ہوں اور ان کو لوگوں سے اعتقاد اور میلان خاطر ہو۔

اور اگر وہ صوفیہ کے کسی دائرہ میں آئے تو کسی گوشہ میں جگہ اختیار کرے اور اپنے نعلین کو اتارے اور بائیں پیر کا جوتا پہلے نکالے اور پہنتے وقت داہنے پانوں سے ابتدا کرے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے سیدھا پانوں ڈالے اور جب نکالے تو بائیں پانوں سے ابتدا کرے"۔

پھر موضع طہارت کا ارادہ کرے اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اگر وہاں کوئی شیخ ہو تو اس کے پاس جائے اور اس سے ملے اور ان کے سر کو بوسہ دے اگر وہ کم عمر ہو تو ان کے ہاتھ کو بوسہ دے۔

حضرت کعب[1] بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب میرے متعلق توبہ کی آیت نازل ہوئی تو میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن خفیف سے حکایت ہے کہ انھوں نے حضرت

---

[1] یہ ان تین صحابیوں میں سے ایک ہیں جو جنگ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی نسبت یہ آیت "وعلی الثلثة الذین خلفوا" نازل ہوئی تھی۔ ان کے اور حضرت زبیرؓ کے درمیان آنحضرتؐ نے مواخات (بھائی چارہ) کرا دیا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ شاعر بھی تھے اور مشرکین کی ہجو کا جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ شہادت میں فوت ہوئے۔

حسین[1] بن منصور کے ہاتھ کو جب کہ وہ قید میں تھے بوسہ دیا اس پر انہوں نے کہا کہ اگر یہ ہاتھ ہمارا ہوتا تو ہم تم کو منع کرتے۔ لیکن یہ ہاتھ جس کو تم آج بوسہ دے رہے ہو کل قطع کیا جائے گا۔

اس کے بعد صوفی کو چاہئے کہ وہ شیخ کے پاس گھڑی بھر بیٹھے اور اس سے کوئی کلام نہ کرے۔ اگر وہ کچھ پوچھے تو اس کے سوال کا جواب دے اور کسی کا سلام[2] نہ پہنچائے اور کسی شخص کا ذکر نہ کرے بجز اس کے مماثل حال اور سن وسال میں برابر ہو تو یہ جائز ہوگا۔

پھر وہ اپنے مقام پر واپس آجائے جو لوگ مقیم ہیں ان پر لازم ہے کہ مسافر کو سلام کریں کیونکہ آنے والے کا حق ہے کہ اس کی زیارت کی جائے مگر یہ کہ وہ مکہ معظمہ میں ہو ایسی صورت میں وہاں کے مجاورین کی زیارت حرمت بیت الحرام کے لحاظ سے اُن پر لازم ہوگی۔

پھر اس کے لئے ماحضر بغیر کسی تکلف کے لایا جائے کیونکہ کہا گیا ہے کہ مہمان کے ساتھ ادب یہ ہے کہ اس کو پہلے سلام کیا جائے، پھر اس کی تعظیم وتکریم کی جائے پھر کھانے سے اس کی تواضع کی جائے، پھر اس سے گفتگو شروع کی جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے محترم مہمانوں کے ساتھ کیا تھا۔

اذا دخلوا علیه فقالوا سلاما — جب وہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے
فما لبث ان جاء بعجل حنیذ۔ — تو انہوں نے کہا کہ تم پر سلام ہو پھر فوراً اٹھے اور بھنے ہوئے گوسالہ کا گوشت لائے۔

صوفی کو چاہئے کہ وہ شیخ سے دنیا اور اہل دنیا کے حالات نہ پوچھے کیونکہ یہ اس کیلئے

---

[1] یہ وہ منصور حلاج ہیں جن کو انا الحق کہنے کی بنا پر علماء کے فتویٰ کے مطابق سُولی پر چڑھایا گیا تھا۔ یہ ۳۵۹ھ کا واقعہ ہے۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۳۱۴)

[2] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: مسافرین کی عادت تھی کہ وہ مکہ کا، مدینہ کا، بابا غوری، بابا جمال، بابا حجر، سیدی احمد کا سلام پہنچایا کرتے تھے۔ اس قسم کی بیہودہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

بیکار باتیں ہیں بلکہ احوال مشایخ اور برادران دینی کے متعلق دریافت کرے۔

مسافر کے لئے واجب ہے کہ وُہ اپنے ساتھ چھاگل یا کوزہ طہارت کے لئے رکھے اور چھاگل کا رکھنا اولیٰ[1] ہے۔

بعض مشایخ مسافر سے جب مصافحہ کرتے تو اس کے ہاتھ اور انگلیوں میں چھاگل کا اثر تلاش کرتے۔ اگر اس کا اثر رہتا تو اس کے ساتھ اچھے طریقہ سے پیش آتے ورنہ وہ ان کی نظروں سے گر جاتا اور وہ اس کو رد کر دیتے۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ اس کے ساتھ چھاگل یا کوزہ نہیں ہے تو جان لو کہ اس نے نماز چھوڑ دی ہے اور برہنہ ہونے کا ارادہ کر لیا ہے۔

مسافر کے لئے سوئی، تاگہ، قینچی، استرہ اور اسی قسم کی چیزیں رکھنا مستحب ہے کیونکہ ان چیزوں سے وہ ادائی فرائض میں مدد لے سکتا ہے۔

جب وہ سفر کا ارادہ کرے تو آداب یہ ہیں کہ وُہ اپنے برادرانِ دینی کے پاس جائے اور اپنے روانہ ہونے کی ان کو اطلاع دے اور ان سے رخصت ہو۔

جو لوگ اس کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کی مشایعت کریں۔ مشایخ کے ایسے ہی آداب تھے۔

مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے اوراد کو ترک نہ کرے، خاص کر ان کو جو واجبات سے تھے۔

(۳۲)
سابقہ فصل کا تتمہ

حضرت ابویعقوب[2] سوسی کہتے ہیں: مسافر چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے اگر یہ چیزیں بھُولا تو اس کو سفر نہیں کرنا چاہئے:

---

[1] یہ سب باتیں اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے تھیں۔ اس زمانہ میں اس کے نعم البدل چیزیں پیدا ہو گئی ہیں

[2] ان کا نام دراصل ابویعقوب الشرسطی المصری البیسری السوسی ہے۔ عالم حدیث تھے۔ ابوتراب نخشبی کی صحبت اٹھائی تھی۔ ۲۹۰ھ میں فوت ہُوئے۔

۱۔ ایسے علم کا جو اس کی نگہبانی کرے۔
۲۔ ایسی پرہیزگاری کا جو اس کو (برائیوں سے) روکے۔
۳۔ ایسے اخلاق کا جو اس کو بچائے۔
۴۔ ایسے یقین کا جو اس کو ثابت قدم رکھے۔

رویم سے آداب مسافر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی ہمت پر اس کے قدم سبقت نہ کریں اور جہاں اس کا دل ٹھہرنا چاہے وہیں اس کی منزل ہو۔

(۳۳)
آداب لباس میں

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

وثیابك فطھر۔ اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اللہ ہر کم درجہ کا لباس پہننے والے کو جس کو اس کی پروا نہ ہو کہ اس نے کیا پہنا دوست رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آستین کو اگر وہ انگلیوں سے بڑھ جاتی کتر دیتے تھے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ سچے فقیر کو ہر لباس جو وہ پہنے زیب دیتا ہے اور اس میں ملاحت اور مہابت پائی جائے گی۔

ان کے آداب میں سے ہے کہ وہ جس وقت جو لباس میسر آئے بغیر تکلیف اور اپنی پسند کے پہنتے ہیں اور اس بات پر قناعت کرتے ہیں کہ ادائی فرائض کے لئے برہنگی نہ رہے اور سردی اور گرمی سے بچیں اور یہی چیز ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے مستثنیٰ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ دنیا میں سے نہیں ہے۔ لوگ کثرت لباس سے ترفہ حاصل کرتے اور ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین آدمی جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل ہوں گے، ایک وہ جس نے اپنے کپڑوں کو دھویا اور اس کے لئے سوا دوسرے

اس کپڑے کے لئے دُوسرا کپڑا پہننے کے لئے نہ ہو۔

ایک وہ جو پینے کے لئے کچھ مانگے اور اس سے یہ نہ پُوچھا جائے کہ کون سی چیز چاہتے ہو۔[1]

ایک وُہ جس کے چُولھے پر دو[2] ہنڈیاں نہ ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ایک سے دو نہیں تھی"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاکی ایمان سے ہے۔ آپ نے بعض آنے والوں کے میلے کپڑے دیکھے تو فرمایا کہ ان کو پانی نہیں مل سکا جس سے وُہ اپنے کپڑے دھوتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مانا کہ فقر اللہ کی طرف سے ہے لیکن مَیل کچیل کپڑوں پر کیوں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ میل کو ناپسند کرتا ہے۔

صوفیہ شہرت کے لئے کپڑے پہننے کو مکروہ جانتے تھے اور مشایخ کے کپڑوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک گھر میں تشریف لے گئے تمام گھر بھر گیا۔ اتنے میں حضرت جریر بن عبداللہ بھی آئے۔ جب جگہ نہ ملی تو وہ گھر کے باہر بیٹھ گئے اس کو آپ نے دیکھ لیا اور اپنا ایک کپڑا لپیٹ کر ان کی طرف پھینک دیا اور کہا کہ اس پر بیٹھو۔ انہوں نے اس کپڑے کو لے کر آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا۔

---

[1] سرد یا گرم یا کسی قسم کا شربت۔ حضرت خواجہ صاحب نے ایک دوسری حدیث کا ذکر کیا ہے وُہ یہ کہ "اللہ نے آدمی کو سب ضروری چیزیں دے دی ہیں۔ کپڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانک سکتا ہے، روٹی جس سے اپنا پیٹ بھر سکتا ہے اور گھر پرندہ کے گھونسلہ کی طرح۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ نمک پر حساب ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: "ہاں ہوگا"۔

بعض صوفیہ نے دو کپڑوں پر قناعت کرنے کو پسند کیا ہے جیسا کہ احرام باندھنے والے کی ہیئت ہوتی ہے لیکن جمہور صوفیہ نے اس کو مکروہ سمجھا بجز اس کے کہ وہ مکہ معظمہ میں بحالت احرام ہو کیونکہ اس میں شہرت اور اپنے ساتھیوں پر اظہار تفوق ہے۔

گریبان دار کرتہ پہننے کو مکروہ سمجھا گیا ہے لیکن مشایخ کے لئے وہ جائز ہے اور وہ بمنزلہ طیلسان[1] اور سجادہ کے ہے۔

کلاہ مشایخ کے لئے اور ٹوپیاں مریدین کے لئے ہیں اور ایک کپڑے پر قناعت کرنا مستحب ہے۔

حریری سے مروی ہے کہ بغداد میں ایک فقیر رہتا تھا۔ موسم گرما اور سرما میں اس کے بدن پر ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بیان کیا کہ میں بہت سے کپڑے رکھنے کا شائق تھا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا گویا میں جنت میں آیا ہوں اور میرے دوستوں کی ایک جماعت دسترخوان پر ہے۔ میں نے بھی ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو فرشتے میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گئے اور کہا کہ یہ لوگ ایک کپڑا رکھنے والے ہیں اور تمہارے پاس تو کئی کپڑے ہیں۔ میں بیدار ہوا اور طے کر لیا کہ آئندہ سوائے ایک کپڑے کے نہیں پہنوں گا یہاں تک کہ ان سے جا ملوں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ پیوند لگے کپڑے اور گدڑیاں بہت زیادہ ہو گئی ہیں اور لوگوں نے اس کو ایک مذہب بنا لیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اب سلوک خوش آیند ہو جائے گا تم کو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے (اور سمجھیں گے تم بھی ان ہی میں سے ہو) لیکن درحقیقت تم اللہ کے ساتھ ہوں گے۔

حضرت ابوحاتم عطار جب کبھی پیوند پوشوں کو دیکھتے تو فرماتے: "اے میرے بزرگو! تم نے اپنے جھنڈے بلند کر دیئے اور ڈھول پیٹے۔ کاش مجھ کو معلوم ہوتا کہ

---

[1] طیلسان اور سجادہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو علماء اور مشایخین استعمال کرتے ہیں۔

قیامت کے دن تم کن لوگوں میں شمار کئے جاؤ گے۔"
علی بن بنداء نے کہا ہے ایسا کپڑا جس میں نماز جائز ہو مجھ کو یہ ناپسند ہے کہ میں اس کو بدل کر اور اس سے بہتر کپڑا پہن کر لوگوں سے ملوں۔
حضرت ابوالحفص حدّاد کہتے ہیں کہ اگر تم فقیر کی روشنی (چمک دمک) اس کے کپڑوں میں دیکھو تو اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھو۔

(۳۴)

کھانے کے آداب میں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کلوا واشربوا و لا تسرفوا۔ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔

فکلوا منها و اطعموا البائس الفقیر۔ اس قربانی میں سے کھاؤ اور فقیر مصیبت زدہ کو کھلاؤ۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ادب سکھایا ہے کہ فقراء کو وہی کھلانا چاہئے جو ہم خود کھاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اگر تم سے کوئی کھانا شروع کرے تو بسم اللہ کہے اور پہلے کہنا بھول جائے تو جب کبھی یاد آجائے اوّل سے آخر تک کبھی بھی کہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کٹورہ کی طرف اشارہ کر کے اس کے اطراف سے کھاؤ بیچ میں سے نہ کھاؤ کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوئی ہے۔
صوفیہ کے آداب میں ہے کہ وہ رزق میں اہتمام نہیں کرتے اور خود کو اس کی طلب میں زیادہ مشغول نہیں رکھتے اور نہ اس کو جمع کرتے اور نہ ذخیرہ کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کاین من دابۃ لا تحمل رزقها اللہ یرزقها و ایاکم۔ اور بہت سے جانور اپنے رزق کو فراہم نہیں کرسکتے اللہ ان کو اور ہم کو رزق دیتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بصحت یہ ثابت ہے کہ وہ کل کے لئے کوئی چیز

ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے اور کھانے کا ذکر زیادہ نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ حرص (نا دیدہ پن) پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت رویم سے حکایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیس برس سے میرے دل میں کبھی کھانے کا خیال نہیں آیا جب تک کہ لوگوں نے خود لا کر نہ دیا ہو۔ صوفی کو کھانے سے مقصود بھوک دور کرنا اور نفس کو اس کا حق دینا ہے نہ کہ حظ نفسانی کو پورا کرنا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم پر تمہارے نفس کا حق ہے۔

بعض مشایخ سے پوچھا گیا کہ کھانا کس طرح کھانا چاہئے تو انہوں نے کہا جس طرح بیمار دوا کھاتا ہے اور اس سے شفا کی امید رکھتا ہے[1] اور اپنے نفس کو حرص اور لالچ سے منع کرتا ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی ظرف آدمی کے پیٹ سے بڑھ کر بُرا نہیں اور اگر اس کو پُر کیے بغیر چارہ نہ ہو تو ثلث کھانے کے لئے اور ثلث پینے کے لئے اور ثلث سانس کے لئے رکھے اور کسی کھانے کا عیب نہ کرے اور نہ تعریف۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا۔ اگر اشتہا ہوتی تو آپ تناول فرماتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ آپ نے فرمایا اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے گلاؤ اور کھا کر نہ سو جاؤ اس سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی قوی لوگوں کو کیا ہوا ہے جو وہ شہوتوں کی طرف لپکتے ہیں حالانکہ میں نے شہوت اپنی ضعیف مخلوق کے لیے پیدا کی ہے۔ جو دل شہوتوں سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کی عقلیں مجھ سے محجوب ہو گئی ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت بشر بن حارث کو بازار میں دیکھ کر لوگوں نے پوچھا: آپ

---

[1] یعنی دوا پر جس طرح حرص نہیں کی جاتی اسی طرح کھانے میں حرص نہیں کرنی چاہئے۔

ادھر ۹ انہوں نے کہا کہ میرا نفس کئی سال سے گکڑی کی خواہش کرتا تھا اور میں اس کو منع کرتا تھا اور اب وہ صرف دیکھنے پر رضامند ہو گیا ہے تو میں نے اس کی خواہش پوری کی ہے۔

ان کے کھانے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا اور نہ وہ اس میں کوئی تکلف کرتے تھے اور نہ زیادہ مقدار کے بُرے کھانے کو کم مگر اچھے کھانے پر ترجیح دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"فلینظر ایّھا ازکیٰ طعامًا"۔ (پس دیکھو کون سا کھانا اچھا ہے) اور ایک دوسرے کو لقمہ نہیں دیتے اور نہ ایک دُوسرے کو کھاؤ کہتے ہیں کیونکہ سب اس میں برابر ہیں بجز مشایخین کے کہ وہ اپنے سے کمتر درجے کے لوگوں کو اس طرح کہہ سکتے ہیں اور وہ بھی خوش طبعی کے طور پر اور نیکی پر ترغیب دینے کے لئے۔

عام لوگوں کے آداب اس بارے میں یہ ہیں کہ وہ حاضرین پر کھانا پیش کریں اور ان سے کھانے کی استدعا کریں اور وُہ کھانا کھائیں جس کی اصل حقیقت سے وہ واقف[1] ہوں اور ظالم اور بدکار لوگوں کے کھانے سے پرہیز کریں اگرچہ اس کے لئے کوئی وجہ[2] موجود ہو۔

عمران[3] بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فاسق لوگوں کا کھانا کھانے سے منع کیا اور عورتوں پر بار ڈالنے اور ان کا کھانا کھانے سے بھی نہی فرمائی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد بات کرنے کو مکروہ نہیں سمجھتے اس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مجوس کا طریقہ ہے۔

کھانے کے آداب میں یہ بھی ہے کہ لباس کو سمیٹ کر بیٹھا جائے اور بائیں

---

[1] یعنی حرام کی کمائی سے نہ ہو۔

[2] مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی حق بھی ہو تو اس سے انکار کرنا اولیٰ ہے۔

[3] صحابی ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے اہل بصرہ کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ بصرہ کے قاضی بھی رہے۔ ۵۲ھ میں وفات پائی۔

پانوں پر بیٹھا جائے اور کھانا شروع کرنے کے وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور تین انگلیوں سے اور جو اس سے متصل ہوں ان سے کھانا کھایا جائے۔ چھوٹا لقمہ لیا جائے اور چبا کر کھایا جائے اور (کھانا ختم کرکے) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے۔ جابرؓ[1] سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فرمایا کہ انگلیوں کو اور کٹورہ کو چاٹ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نہیں جان سکتا کہ کس کھانے میں برکت ہے۔

اپنے ساتھی کے لقمہ کی طرف نظر نہیں ڈالنی چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کے لقمہ پر نظر نہ دوڑائے" کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کہے:

الحمد للہ الذی جعل رزقنا	اس خدا کی تعریف ہے جس نے ہمارے
اکثر من اقواتنا۔	رزق کو ہماری قوت لایموت[2] سے
	زیادہ بنایا۔

یہ کچھ اچھی بات نہیں کہ ہاتھ کھانے سے بھر لیا جائے اور اس کو آلودہ کر لیا جائے۔

بعض مشایخ نے کہا ہے برادران دینی کے ساتھ کھانا خوش طبعی کے ساتھ ہونا چاہیئے اور اجنبیوں کے ساتھ ادب کے ساتھ اور فقراء کے ساتھ ایثار سے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ برادران دینی کے ساتھ کھانا رشتۂ رضاع[3] کو پیدا کرتا ہے اس لیے یہ دیکھو کہ تم کن لوگوں کے ساتھ کھاتے ہو۔

صوفیہ مل کر کھانے کو پسند کرتے ہیں کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] جابر بن عبد اللہ الخزرجی السلمی صحابی ہیں۔ آں حضرت صلعم سے اور متعدد صحابہ سے روایت کی ہے سوائے بدر و احد کے تمام غزوات میں آں حضرت کے ساتھ شریک رہے۔ ۷۳ھ میں بعمر ۹۴ سال فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳)

[2] قوت۔ اس قدر کھانا جس سے انسان زندہ رہ سکے۔

[3] مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا دودھ پینے سے جس طرح رضاعی رشتہ قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک ساتھ کھانے سے بھی باہم تعلق مثل رشتہ رضاع کا پیدا ہوتا ہے۔

"بہترین کھانا وُہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں۔" نیز روایت ہے کہ "بھائیوں کے ساتھ کھانا شفا ہے۔" آپ نے فرمایا: "بدترین انسان وُہ ہے جو تنہا کھائے۔ اپنے غلام کو مارے اور اپنے عطیہ کو روکے۔"

اور جب ایک جماعت کے ساتھ کھائے تو کھانے سے ہاتھ اس وقت تک نہ روکے جب تک کہ دُوسرے ساتھی بھی کھانا نہ ختم کر لیں۔ خاص کر اس وقت جب کہ کوئی پیشرو کھا رہا ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب آپ جماعت کے ساتھ کھاتے تھے تو سب سے اخیر میں کھانا ختم کرتے تھے۔

بعض مشایخ سے پوچھا گیا کہ کون سا کھانا بے مضرت ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا تحت امر[2] کھائے نہ کہ خواہش نفسانی کے لئے۔ حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تیس برس سے میں نے کوئی چیز اپنی خواہش سے نہیں کھائی۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ڈکار لی۔ آپ نے فرمایا کہ ڈکار لینے سے باز رہو کیونکہ دنیا میں جو شخص زیادہ سیر ہو کر کھائے گا قیامت کے دن اسی قدر بھوکا ہوگا۔

حضرت حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدم پر مصیبت کھانے کی وجہ سے آئی اور وہی مصیبت تم لوگوں کے لئے قیامت تک ہے۔

حضرت سہلؒ بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ اگر میں رات کے کھانے میں ایک لقمہ ترک کروں تو میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے۔

---

[1] سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔

خوردہ ہماں بہ کہ نہ تنہا خوری

وائے براں خوردہ کہ تنہا خوری

[2] اللہ نے حکم دیا ہے کہ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو اور آں حضرتؐ نے فرمایا ہے کہ تمہارے نفس کا بھی حق ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ اگر بھوک بازار میں فروخت ہوتی تو آخرت کے طلبگار اس کے سوا اور کوئی چیز نہ خریدتے۔

انہوں نے کہا کہ اگر تم اپنے نفس کے پاس ملائکہ، مقربین اور انبیاء مرسلین کی سفارش لاؤ کہ وہ ترک شہوت کرے تو وہ ان تمام کی سفارش کو رد کر دے گا۔ لیکن اگر تم بھوک کو اپنا وسیلہ بناؤ تو تمہارا کہا مانے گا اور مطیع و فرماں بردار بن جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بیٹھے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا۔ مزاج مبارک بخیر۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بھوک کی وجہ سے ہے۔ میں رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ "نہ رو قیامت کی شدت بھوکے کو تکلیف نہ دے گی۔ اگر وہ خدا کے لئے اس کو اختیار کرے آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ جو شخص اپنے نفس میں نشاط پائے تو اس کو بھوک اور پیاس سے ذبح کر دے۔

کھانا آجانے کے بعد انتظار مکروہ ہے۔ کہا گیا کہ نیک لوگوں کے قلوب انتظار کو برداشت نہیں کر سکتے۔ نیز کھانے میں مشغول ہو کر وقت ضائع کرنا بھی مکروہ ہے۔

اکثر صوفیہ اس بات کو مکروہ جانتے ہیں کہ جو شخص ان کی خدمت کر رہا ہو اپنے سامنے لائے ہوئے کھانے سے لقمہ دیا جائے خاص کر جب کہ مہمان موجود ہو کیونکہ جو کچھ اس کے سامنے لایا گیا ہے اس کا تصرف اس کو بجز کھانے کے جائز نہیں ہے۔

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ مہمان جو کچھ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اس کا مالک ہو گا یا نہیں؟ بعضوں نے کہا کہ مالک ہو گا جب کہ سامنے کھانا حاضر کیا جائے اور بعضوں نے کہا کہ کھا لینے کے بعد مالک ہو گا۔ بعضوں نے کہا کہ منہ میں

ؒ ابوبکر زکریا الرازی ابو واعظ کے نام سے مشہور ہیں۔ بلاد خراسان میں چند دن رہے۔ اسکے بعد نیشاپور چلے گئے۔ شیراز بھی گئے تھے ان کے مواعظ کی وجہ سے لوگ ان کے بہت فریفتہ ہو گئے تھے۔ زبان میں اس قدر تاثیر تھی کہ جب چاہتے سامعین کو رلا دیتے اور جب چاہتے ہنسا دیتے تھے۔ ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

ڈالنے کے بعد۔ بعضوں نے کہا کہ پوری طرح کھانے کے بعد۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقراء پر کھانے کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے کیونکہ وُہ ایثار کے ساتھ کھاتے ہیں۔

بعض مشایخ کا کہنا ہے کہ میزبان پر تین چیزیں واجب ہیں یہ کہ مہمان کو حلال چیز کھلائے اور اس کے نماز کے اوقات کی[1] حفاظت کرے اور جو کھانا وُہ کھلا سکتا ہے اس کو مہمان سے نہ روکے۔ لیکن مہمان پر لازم ہے کہ وہاں بیٹھے جہاں میزبان بٹھائے اور جو کچھ اس کے سامنے لایا جائے اس پر راضی رہے اور گھر سے اجازت لے کر روانہ ہو۔

حضرت ابن عباس[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ مہمان کی مشایعت گھر کے دروازے تک کی جائے۔

(۳۵)

آدابِ نوم (نیند) کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص صبح تک سوتا رہے تو (سمجھو) شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔

صوفیہ کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اگر لوگ بیٹھے ہُوئے ہیں تو ان کے درمیان سونے سے اجتناب کیا جائے اگر کسی شخص کو نیند کا غلبہ ہو اور وہ اونگھنے لگے تو یا تو وُہ کھڑا ہو جائے یا باتوں میں مشغول ہو کر یا کسی اور طریقے سے نیند کو دُور کرے چت سونے کی بھی عادت نہ ڈالے۔ خاص کر وُہ شخص جس کو خراٹے لینے کی عادت ہو،

---

[1] یعنی ایسے وقت دعوت نہ دے کہ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو، یا کھانا کھلانے میں اتنی دیر نہ لگا دی جائے کہ نماز کا وقت چلا جائے۔

[2] ان کا نام عبداللہ، آں حضرتؐ کے چچیرے بھائی ہیں۔ قرآن کے بڑے عالم اور مفسر ہیں۔ آں حضرتؐ نے ان کے حق میں حصول علم دین کی دعا فرمائی تھی۔ ۶۷ھ میں وفات پائی۔

سونا ہو تو پہلو پر سونا چاہئے ۔ اوندھے منہ سونا بھی ممنوع ہے ۔

وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی نیند اللہ کے لئے یا اللہ کے ساتھ ہو۔ اللہ سے غافل ہو کر نہ سوئیں۔ اللہ کے لئے نیند اس شخص کی ہوتی ہے جس کا مقصد سونے سے یہ ہوتا ہے کہ وہ ادائی فرائض و نوافل نیند سے مدد لے ۔ خصوصاً رات کے آخری حصہ میں کیونکہ حدیث میں آیا ہے ۔ حق تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں فرماتا ہے ؛ کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا کو قبول کروں ۔ کیا کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کروں ۔ کیا کوئی مغفرت حاصل کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں ۔

اللہ کے ساتھ سونے والا عارف و ذاکر ہے جس کو اونگھ اور نیند[1] نہیں آتی ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے لئے سجدہ[2] و قیام میں راتیں گزارتے ہیں ۔

اللہ سے غافل سونے والا وہ ہے جس کو داؤد علیہ السلام نے اپنی مناجات میں بیان کیا ہے کہ اللہ فرمائے گا وہ شخص میری محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے جو رات آتے ہی مجھ سے غافل ہو کر سو جاتا ہے ۔ کیا کوئی محب اپنے محبوب کی خلوت نہیں چاہے گا کیونکہ میں اپنے دوستوں کے دلوں پر مطلع ہوں ۔

ان کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہ طہارت کے ساتھ اپنے سیدھے پہلو پر سوتے ہیں اور سوتے وقت یہ دعا پڑھتے ہیں[3] ۔

اللھم وضعت جنبی وباسمك	اے اللہ میں اپنے پہلو پر لیٹا ہوں اور
ادفعه ۔ اللھم ان امسکت نفسی	تیرے نام سے اس کو اٹھاؤں گا ۔ اے اللہ

---

[1] وہ متصف بہ صفات باری ہو جاتا ہے لا تاخذہ سنۃ و لا نوم ۔

[2] والذین یبیتون لربھم سجدًا وّ قیاما ۔

[3] بخاری شریف میں یہ دعا مروی ہے ؛ اللھم انی الجأت ظھری الیك وفوضت امری الیك واسلمت وجھی الیك رغبۃ ورھبۃ الیك لا ملجأ ولا ملجأ منك الا الیك ۔ اللھم انی اٰمنت بکتابك انزلت و نبیك الذی ارسلت ۔

فارحمها۔ ان ارسلتها فاحفظها بما يحفظ به عبادك الصلحين اللهم قني عذابك يوم تبعث عبادك ۔	اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم کر اور اگر اس کو چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما جیسا کہ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اے اللہ مجھ کو بچا اپنے عذاب سے جبکہ تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا قیامت کے دن ۔

اور جب کبھی بیدار ہو تو اللہ کو یاد کرے اور اگر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور سو جائے تو اولیٰ ہے ۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص کم سونا چاہے تو اس کو اس قدر پانی پینا چاہئے جس سے تشنگی رفع ہو۔

اگر وہ ایک جماعت کے درمیان ہو اور وہ سو جائیں تو ان کی موافقت کرے اور سو رہے یا اٹھ کر چلا جائے۔

قیلولہ مستحب ہے تاکہ راتوں کو جاگنے میں اس سے مدد لی جائے۔

کہا گیا ہے کہ دن نکلنے کے بعد سونا خلافِ عادت ہے اور دن کے درمیان سونا فطری بات ہے اور دن کے آخر میں سونا حماقت ہے ۔

بعض صوفیہ رات کو لیٹتے نہ تھے اور اس طرح انہوں نے ۲۰ برس گزار دیئے بلکہ نیند کے غلبہ کے وقت دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔

حضرت جنید علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں حضرت سری سقطیؒ کے پاس ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ تک آتا رہا۔ ان کو میں نے کبھی لیٹے ہوئے نہیں دیکھا بجز مرض الموت کے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے محراب کی طرف پاؤں لمبے کئے تو آواز آئی جو بادشاہوں کی مجلس میں بلا ادب بیٹھے تو اس نے اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کیا۔[1]

---

[1] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح صوفیہ پر جو واردات اترتی ہے وہ ان کے گریہ کا سبب ہو جاتی ہے۔

(۳۶)

آداب سماع کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع۔	اور جب[1] وہ سنتے ہیں اس کو جو اتاری گئی ہے رسول پر تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگتی ہیں۔

نیز فرماتا ہے:

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔	پس[2] خوش خبری دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں باتوں کو اور ان میں سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔

نیز فرماتا ہے:

فھم فی روضۃ یحبرون۔	وہ ایک باغ میں ہوں گے جس میں ان کو مسرور کیا جائے گا۔

مجاہد[3] نے 'یحبرون' کی تفسیر 'یسمعون' سے کی ہے (یعنی ان کو راگ

---

[1] خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آیت میں قول کا لفظ بہت عام ہے جس میں سماع بھی داخل ہے جس کو 'احسن القول' کہا جا سکتا ہے۔ دوران سماع میں صوفیہ کو تجلیات اور انکشافات ہوتے ہیں جو ان میں احسن و اجمل ہو وہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔

[2] خواجہ صاحب اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین محبوب الٰہی سے نقل کرتے ہیں کہ بہشتی سماع کی خواہش کریں گے تو ایک ہوا فضاء عرش سے چلے گی اور سدرہ منتہیٰ کے پتوں کے ہلنے سے ایسے نغمے پیدا ہوں گے جن کی لذت تمام لذتوں سے بڑھ کر ہوگی اور اگر اہل دنیا اس کو سنیں گے تو فورِ لذت و مسرت سے جان دے دیں گے۔

[3] مجاہد بن جبیر، کنیت ابو الحجاج، عبداللہ بن السائب بن سرمی السائب مخزومی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ عطاءؒ، طاؤس اور عکرمہ مشہور تابعین آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں وفات مکہ میں ۱۰۲ھ میں بحالت سجدہ ہوئی۔

سنایا جائے گا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے کسی چیز کی اجازت اپنے نبیوں کو ایسی نہ دی جیسی کہ خوش آواز سے ذکر کرنے کی۔

روایت ہے کہ آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی:

ان لدینا انکالا و جحیماً وطعاماً ذا غصۃ و عذاباً الیما۔	ہمارے پاس قید اور آگ اور کھانا جو گلے میں اٹک جائے اور دردناک عذاب ہے۔

تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔

نیز روایت ہے کہ آپ کے سامنے یہ آیت

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بك علیٰ ھٰؤلاءِ شھیدا۔	اس وقت کیا ہوگا جب کہ ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ کو لائیں گے آپکو ان پر گواہ کریں گے۔

پڑھی گئی تو آپ بہت دیر تک روتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میرے پاس ایک لونڈی تھی جو مجھ کو گانا سنا رہی تھی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ گاتی رہی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ داخل ہوئے تو وہ لونڈی بھاگ گئی۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو ہنسایا؟" آپ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ اس چیز کو نہ سنوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے آپ نے لونڈی کو حکم دیا تو اس نے گانا سنایا۔

حضرت ذو النون المصری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ سماع حق تعالیٰ کی طرف سے ایک واردات ہے جو قلوب کو اس کی طرف رجوع کرتی ہے جو اس کو اس حقیقت کے ساتھ سنے تو وہ محقق بنتا ہے اور جو صرف خواہش نفسانی

سے سنے تو زندیق بنتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ محبانِ حق کے دل سماع سے خوش ہوتے ہیں اور توبہ کرنے والوں کے دل ڈرتے ہیں اور مشتاقوں کے دل اس سے سوز و گداز پیدا کرتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع اس چیز کو جو دلوں میں جاگزیں ہے حرکت میں لاتا ہے جیسا کہ سرور حُزن، خوف و رجا اور شوق اور بسا اوقات گریہ کی تحریک کرتا ہے اور بسا اوقات طرب و مسرت پیدا کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ سماع کی مثال ابر کی طرح ہے جو اچھی زمین پر برسے تو زمین کو سرسبز کر دیتا ہے اسی طرح پاک دل سماع سے چھپے ہوئے فوائد کو ظاہر کرتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع میں ہر عضو کے لئے ایک حظ ہے۔ کبھی سماع سننے والا روتا ہے اور کبھی چیختا ہے اور کبھی تالی پیٹتا ہے اور کبھی ناچتا ہے اور کبھی بے ہوش ہو جاتا ہے۔

کہا گیا ہے اہل سماع تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے پروردگار سے سنتا ہے[1] اور ایک اپنے قلب سے سنتا اور ایک اپنے نفس سے سنتا ہے۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ سماع اس شخص کے لئے جائز ہے جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو۔ لیکن جس کا نفس زندہ اور دل مردہ ہو تو اس کے لئے جائز نہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع اسی کے لئے جائز ہے جس کے حظوظ نفسانی فنا ہو گئے ہوں اور

---

[1] خدا سے سننے کے معنی خواجہ صاحب یہ بیان فرماتے ہیں کہ " خدا کے حضور میں سنتا ہے یا یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ جیسا کوئی اپنے دوست کے ساتھ سماع سنتا ہو اور یہ بہت کم ہوتا ہے اور نہ ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی طلب اور اس کے جمال و جلال کے وجدان کے ساتھ سنے اور اس میں رضائے الٰہی کا خواہاں و جویا ہو۔ قلب سے سننے کے یہ معنے ہیں کہ حضورِ قلب سے سنے اور طلبِ صادق رکھتا ہو۔ نفس سے سننے کے یہ معنی ہیں کہ اس کا نفس اس کا مزاحم وقت ہو۔ اس کی خودی دور نہ ہوئی ہو اور وہ متردد اور متزلزل اپنے عقائد میں ہو۔ پہلی حالت اعلیٰ، دوسری اوسط اور تیسری ادنیٰ ہے۔

اس کے حقوق اور ذمہ داریاں باقی رہ گئی ہوں اور اس کی بشریت بجھ گئی ہو۔

بعض صوفیہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کا سماع کے بارے میں کیا خیال ہے جس کو ہمارے اصحاب (صوفیہ) سنا کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ وُہ ایک ایسی چکنی پھسلنے والی زمین ہے جس پر صرف علماؑ کے قدم ہی ثابت رہ سکتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ سماع ایک ننھا سا چقماق ہے جس کی آگ اسی قلب کو روشن کرتی ہے جو محبت (الٰہی) میں جل رہا ہو اور اس کا نفس مجاہدہ سے جل کر (راکھ) ہوگیا ہو۔

صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ وُہ سماع میں تکلف نہیں کرتے اور نہ ان کے لئے اس کے واسطے کوئی وقت مقرر ہے۔ وہ اس کو لہو ولعب اور دل لگی اور خوش طبعی کے لئے نہیں سنتے بلکہ تائبین (توبہ کرنے والے)، خائفین (خوف کرنے والے) اور امید رکھنے والوں کے صفات واخلاق حاصل کرنے کے لئے سنتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے انھیں معاملات صوفیہ پر آمادگی ہو اور ان کے صدق ارادت کی تجدید ہو۔ اگر کوئی اس کو نہ جانتا ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ ایسے شخص کے پاس جائے جو ان چیزوں کی اس کو تعلیم دے۔

نصیر آبادی[1] سے کہا گیا کہ آپ سماع کے بہت شیدا ہیں۔ انہوں نے کہا "ہاں یہ اس سے بہتر ہے کہ ہم بیٹھے ہُوئے لوگوں کی غیبت کیا کریں" حضرت عمر بن جنیدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ اے ابوالقاسم! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے دیکھا ہے کہ سماع میں ایک لغزش ایسی ہو جاتی ہے کہ سال بھر تک غیبت کرنے کی برائی اس کو نہیں پہنچ سکتی۔

---

[1] ابوالقاسم النصیر آبادی خراسان کے شیوخ صوفیہ میں سے ہیں شبلی اور ابوالرودباری کی صحبت اٹھائی ہے۔ فقہ، حدیث، تاریخ اور علم سلوک صوفیہ میں یدِطولیٰ رکھتے تھے، حج بھی کیا تھا، مکہ معظمہ میں دو سال رہے اور وہیں ۳۶۷ھ میں انتقال فرمایا (مراۃ الجنان جلد ۲ ص ۱۸۷)

حضرت ابو علی رودباری نے کہا ہے کہ سماع میں ہم بعض اوقات ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ جو تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوتا ہے۔ اگر ذرا لغزش ہو تو ہم آگ میں گر جائیں۔

یہ ادب نہیں ہے کہ سماع میں حال کی استدعا کی جائے اور کھڑے ہونے میں تکلف کیا جائے مگر یہ کہ حال کا غلبہ ہو جو اس کو بے چین اور وارفتہ کر دے یا (قیام) کسی طالب صادق کی مدد کے لئے یا بغیر سکر اور اظہارِ حال کے محض خوش وقتی کے لئے ہو لیکن اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے مسجد کے کونے سے نعرہ لگایا۔ آپ نے فرمایا: "یہ کون ہمارے دین میں خلل پیدا کرنے والا شخص ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو اس نے اپنے آپ کو شہرت دی اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اللہ اس کو میٹ دے گا۔"

نوجوانوں کا مشایخ کے حضور میں سماع کے وقت اٹھنا اور اظہارِ خیال کرنا مکروہ ہے

حکایت ہے کہ ایک نوجوان حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہتا تھا۔ جب کبھی وہ سماع سنتا تو چلا اٹھتا اور اس کی حالت متغیر ہو جاتی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فرمایا کہ اس کے بعد تم سے کوئی ایسی چیز ظاہر ہو تو پھر میرے ساتھ نہ رہو۔ چنانچہ اس کے بعد وہ نوجوان صبر و ضبط سے کام لینے لگا یہاں تک کہ بعض وقت اس کے ایک ایک رونگٹے سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ ایک دن اس نے ایسا نعرہ لگایا کہ اس کی رُوح ہی بدن سے نکل گئی۔

لڑکوں کے لئے ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ کھڑے ہوں اور حرکت کریں۔ اکثر مشایخ لڑکوں کی موجودگی کو ناپسند کرتے ہیں۔

اور اگر وقت محدود ہو (اور ہر ایک اپنے حال میں مستغرق ہو) تو ان میں مداخلت و مزاحمت اگرچہ موافقت کے خیال سے ہی کیوں نہ ہو جائز نہ ہو گی۔

حکایت ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ جب بغداد آئے تو ان سے ملنے کے لئے

ایک جماعت گئی جن کے ساتھ قوال بھی تھا۔ لوگوں نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے قوالی کے لئے اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دی۔

قوال یہ اشعار سنانے لگا ؎

صغیرھواك عذّبنی فکیف بہ اذا احتنکا

وانت جمعت فی قلبی ھوًی قد کان مشترکا[1]

اما ترثی لکتئب اذا ضحك الخلیٰ بکیٰ

(تیری تھوڑی سی محبت نے مجھ کو مبتلا کر دیا اگر یہ محبت بڑھ جائے تو میرا کیا حال ہوگا اور تم نے میرے دل میں وہ تمام محبت جمع کر دی ہے جو مشترک[1] تھی۔ کیا تم ایسے مصیبت زدہ پر رحم نہ کرو گے کہ جب دوست ہنستا ہے وہ رونے لگتا ہے۔)

ان اشعار کے سننے سے ان کے دل کو سرور حاصل ہوا اور وہ کھڑے ہو گئے اور وجد کرنے لگے اور اپنی پیشانی کے بل گر پڑے جس کی وجہ سے پیشانی سے خون بہنے لگا۔ لیکن خون کے قطرے زمین پر نہیں گر رہے تھے پھر ان میں سے ایک اور شخص کھڑا ہوا۔ حضرت ذوالنونؒ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا: "الذی یراك[2] حین تقوم"۔ یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔ سکون حضورِ قلب اور جمع ہمت کے ساتھ چاہیئے۔

سماع سننے والوں کے حال کو دیکھتے ہوئے کھڑے رہنا ان کی حالت میں مداخلت و مزاحمت کرنے سے اولیٰ ہے کیونکہ وہ محل استقامت و تمکین و سکون اور حضور باری تعالیٰ میں خاموش رہنے کا مقام ہے۔

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] یعنی میرے دل میں اور لوگوں کی محبت بھی مشترک تھی وہ صرف تیرے لئے ہو کر رہ گئی ہے۔

[2] یہ قرآن مجید کی آیت کا ٹکڑا ہے جس کے معنی ہیں" وہ خدا جو دیکھتا ہے تجھ کو جبکہ تو اٹھتا ہے"۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ بغیر کیفیت صادق کے وجد کے لئے اٹھنا مناسب نہیں کیونکہ خدا ایسے اٹھنے والے کو دیکھ رہا ہے۔

فلمّا حضروا قالوا انصتوا ۔ | جب جنات حاضر ہوئے توانہوں نے کہا کہ خاموش رہو۔

نیز فرمایا:

وخشعت الاصوات للرحمٰن فلاتسمع الّا همسا۔ | خدائے رحمٰن کے لئے (مخلوق) کی آوازیں پست ہوگئیں اس طرح کہ سوائے گنگناہٹ کے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

اگر مجلس سماع کا اتفاق ہو تو ابتداء قرآن سے کرنی چاہئے اور اسی پر ختم کرنی چاہئے۔

حضرت ممشاد[۱] دینوریؒ سے حکایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا، جب صوفیہ سماع کے لئے جمع ہوں تو کیا قرآن سے ابتداء اور اس پر اختتام کیا جائے یا نہیں تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مرید کے لئے غزل اور معشوق کے اوصاف کا سُننا مکروہ ہے کیونکہ اس سے وُہ اپنی سابقہ حالت پر عود کرے گا۔

بعض مشایخ سے حکایت ہے انہوں نے کہا سماع کے شبہات کے گڑھے ہیں ڈالنے والی شہوت ہے جس سے نکلنا سوائے عارف صاحبِ بصیرت وعقل کے دوسروں سے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی شہوت کو روک سکتا ہے اور شبہات سے الگ رہ سکتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہر مرید جس کو تم سماع کی طرف جھکتا ہُوا دیکھو تو سمجھ لو کہ اس میں بطالت کا کچھ اثر باقی رہ گیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ سماع درحقیقت پل صراط ہے جب صاحبِ یقین وایمان یا صاحبِ شک وانکار اس کا قصد کرتا ہے تو وہ اپنے پر سے گزرنے والے کو یا تو اعلیٰ علیین پر پہنچاتا ہے یا اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔

بعض مریدین نے مشایخ کو کہا کہ کیا مشایخ سماع نہیں سُنا کرتے تھے۔ انہوں نے

---

[۱] سلسلہ چشتیہ میں ان کا نام حضرت خواجہ حسن بصری سے ساتویں درجہ پر ہے۔ یحییٰ بن الجلاء اور دوسرے مشائخین وقت کی صحبت اٹھائی ہے۔ ۲۹۹ھ میں وفات پائی۔

جواب دیا کہ اگر تم ان کے جیسے ہو تو تم بھی سُن سکتے ہو۔

کہا گیا ہے کہ سماع ایک گھڑی بھر کی خوشی ہے جو زایل ہو جاتی ہے یا ایک گھڑی بھر میں مار ڈالنے والا زہر ہے۔

مجلس سماع میں جو شخص تبسم کرے یا لہو ولعب میں مشغول ہو تو اس کو حاضر نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ خفیفؒ سے حکایت ہے انہوں نے کہا کہ میں اپنے شیخ حضرت احمد بن یحییٰؒ کے ساتھ شیراز کی ایک دعوت میں حاضر ہوا وہاں سماع سننے کا اتفاق ہُوا شیخ کو اس میں لطف آیا اور وہ کھڑے ہو کر وجد کرنے لگے۔ اسی صف میں ہمارے سامنے ایک شخص اہل دنیا میں سے تھا۔ اس نے اس حالت کو دیکھ کر تبسم کیا۔ شیخ نے ایک شمعدان لے کر اس پر دے مارا۔ وُہ اس کو نہ لگا لیکن دیوار میں اس کے تین پاؤں پیوست ہو گئے۔ شیخ وہ شخص تھے جنھوں نے ۳۰ برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی تھی۔

بعض مشایخ سے سوال کیا گیا کہ قلوب، ارواح اور نفوس سماع سے کس طرح سیراب ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا قلوب کی سیرابی حکمت سے اور ارواح کی نعمتوں سے اور نفوس کی موافق طبیعت حظوظ سے۔

پوچھا گیا کہ سماع میں تکلف کس کو کہتے ہیں۔ جواب دیا: تکلف دو قسم کا ہوتا ہے ایک تکلف سننے والے کا طلب جاہ اور منفعت دنیوی کے لئے اور یہ دھوکا اور خیانت ہے اور ایک تکلف وُہ ہے جو حقیقت کی طلب میں اہل وجد کی ہمرنگی اختیار کرنے سے جس کو تواجد کہتے ہیں۔ جیسا کہ رونا نہ آئے تو اظہار ہمدردی کے لئے رونے کی صورت بنائی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مصیبت زدہ کو دیکھو تو رو، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنا لو۔

حضرت ابونصر سراج[1] رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اہل سماع کے تین طبقے ہیں۔

---

[1] کتاب اللمع آپ ہی کی تصنیف ہے کبار صوفیہ میں سے ہیں آپ کا نام عبداللہ بن علی الطوسی ہے ۳۷۸ھ میں فوت ہوئے (مراۃ الجنان جلد ۲ ص ۴۰۸)

ایک طبقہ وہ ہے جو سماع میں حق تعالیٰ کے ساتھ مخاطبت رکھتا اور حق کی آواز کو سنتا ہے اور ایک طبقہ وُہ ہے جو سماع میں اپنے احوال، مقامات اور اوقات کے ساتھ مخاطبت رکھتا ہے وُہ اپنے علم اور سچائی کے ساتھ مربوط رہتا ہے اور اسی میں اس کو اشارات ملتے ہیں اور انہی میں ایسے فقراء بھی ہیں جو تمام تعلقات سے اپنے آپ کو الگ کئے ہوئے ہیں اور ان کے دل دنیا کی محبت سے آلودہ نہیں ہوتے اور کسی کے دینے لینے سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔ وہ سماع اپنے قلوب کی پاکی کے ساتھ اللہ کی معیت میں سنتے ہیں۔ سماع انہی لوگوں کے لایق ہے اور وہی سلامتی سے زیادہ قریب اور فتنے سے بچے رہتے ہیں۔

ہر قلب جو دنیا کی محبت سے آلودہ ہو اس کا سماع طبیعت اور تکلف کا سماع ہے۔

کہا گیا ہے کہ سماع کا محتاج وُہ شخص ہے جو ضعیف الحال ہو۔

حصیری[۱] نے کہا ہے کہ اس شخص کی حالت کس قدر ادنیٰ ہے جس کو کسی محرک کی ضرورت ہے۔ بخلاف جس عورت کی اولاد مر گئی ہو وہ کسی ماتم کرنے والی کی محتاج نہیں ہے۔[۲]

کہا گیا ہے کہ ایک قوم کے لئے سماع دوا کی طرح ہے اور دوسری قوم کے لئے پنکھے کی طرح (سامانِ تفریح)

حضرت شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ نے کہا ہے کہ وجد ایک قوم کے لئے باعث ترقی ہے اور دُوسری قوم کے لئے موجب نقصان۔ وُہ مانند ہتھیار کے ہے کہ اس سے جہاد

---

[۱] ابو محمد جعفر بن احمد بن نصر النیشاپوری۔ یہ ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ان کے پوتے محمد بن احمد السکری کا بیان ہے کہ حصیری نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کر رکھی ہے۔ ایک حصہ میں نمازیں پڑھتے تھے اور ایک حصہ میں سوتے تھے اور ایک حصہ تصنیف و تالیف کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

[۲] خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں: حصیری نے جو کچھ کہا ہے وہ اہل طلب کے سماع سے متعلق ہے۔ لیکن کاملین جن کو ہر وقت خدا کی حضوری میسر ہے وُہ سماع سے جو ذوق حاصل کرتے ہیں وُہ ایک علیحدہ چیز ہے۔

فی سبیل اللہ میں کام لیا جا سکتا ہے اور اس سے اولیاء اللہ کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے
یہی حالت آفتاب کی ہے کہ وُہ کسی چیز کو اچھا کرتا ہے تو کسی چیز کو خراب کر دیتا ہے۔
نیز انہوں نے کہا کہ سماع کے متعلق حکم، سننے والے کی حالت کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔
بعض صوفیہ نے ایک طواف کرنے والے شخص کو "سفر بری" کہتے ہُوئے سنا تو اس کو غشی آگئی۔ سقر بری (سبزی کو کہتے ہیں) اس سے لوگوں نے پوچھا: غشی کا کیا سبب تھا تو اس نے بیان کیا کہ میں نے سنا۔ اسعہ تولی بری (کوشش کر تو، تو میرا ایک سلوک دیکھے گا)

حضرت شبلیؒ نے ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا؛ ؎

اسئل عن لیلیٰ فھل من مُخبر
یکون لہ علم بھا این تنزل

(میں لیلیٰ کے متعلق سوال کرتا ہوں کہ کیا کوئی خبر دینے والا ہے کہ اس کا مقام کہاں ہے)

انہوں نے نعرہ لگایا اور کہا خدا کی قسم دونوں جہاں میں اس کے متعلق کوئی خبر دینے والا نہیں ہے۔
صبیحیؒ نے کہا ہے کہ جس شخص کو وجد آئے اس کے لئے واجب ہے کہ اگر اس کا وجد صحیح ہو تو وُہ اپنے وجد کی حالت میں (لغزشوں سے) محفوظ ہو اور اس کی زبان پہ کوئی بُرائی کا کلمہ جاری نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ وجد صفاتِ باطن کا سِرّ (راز) ہے۔ جیسا کہ طاعت صفات ظاہر کا۔ صفات ظاہر حرکت و سکون اور صفات باطن احوال و اخلاق ہیں۔

خرقہ کا حکم

خرقہ جو سماع میں پھینکا جاتا ہے تو اگر وہ مساعدت (مدد دینے کے لئے اور ذوق کو بڑھانے) کے لئے ہو تو وہ جماعت کا ہے

لہ غالباً یہ ابواسحاق السبیعی کی تصحیف ہے۔ جو بڑے حافظ حدیث کوئی ۳۰۰ شیوخ حدیث سے روایت کی ہے۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ ان کے بڑے مناقب ہیں۔ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

اور اگر وہ قوال کی قوالی اور شعر پڑھنے والے کے پڑھنے کے لئے ہے اور وہاں کوئی جماعت نہ ہو تو وہ خاص طور پر قوال کے لئے ہے۔ اگر وہاں جماعت ہو تو اس بارے میں مشایخ کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ قوال کے لئے ہے۔ کیونکہ جب اپنے باطن میں اس کو قوال سے فائدہ پہنچا ہے تو اس نے اپنے کپڑے نکال کر اس کو بطور بدل اور تحفہ کے دیئے ہیں لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جماعت کے لئے ہے اور قوال ان میں سے ایک ہوگا کیونکہ برکت جماعت میں حاضر ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی نہ کہ قوال کی قوالی سے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے بدر کی لڑائی میں فرمایا: "جو شخص اس مقام کو لے گا تو اس کو یہ مال ملے گا اور جو شخص فلاں کو قتل کرے گا اس کو یہ ملے گا اور جو کسی کو قید کرے تو اس کو یہ ملے گا نوجوانوں میں اس کے متعلق جھگڑا ہونے لگا۔ بوڑھے اور بڑے لوگ جھنڈوں کے پاس کھڑے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی تو نوجوانوں نے اپنا حق جو مقرر کیا گیا تھا طلب کیا ــــ بوڑھوں نے کہا کہ سارا مالِ غنیمت تم نہ لے جاؤ کیونکہ ہم تمہاری پشت پناہ رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

قل الانفال للہ و رسولہ۔ کہو مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔

پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب میں علی السویہ مالِ غنیمت کو تقسیم فرمایا۔

بعض صوفیہ نے (خرقہ کے متعلق) کہا ہے کہ اگر قوال اس جماعت کا ایک فرد ہو تو اس کو سب کچھ خود ہی لینا چاہئے اور اگر وہ اجنبی ہو (یعنی اس جماعت کا فرد نہ ہو) تو جو چیز از قسم خرقہ دی گئی ہے اور اس کی جو کچھ قیمت ہو سکتی ہو تو وہ اس کو خرقہ کے عوض دی جائے گی اور اگر فقراء کے پھٹے پرانے کپڑے ہیں تو وہ ان کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اگر قوال اجرت سے بلایا گیا ہے تو اس کو خرقہ میں کوئی حق نہیں ہے اور اگر بخیال ثواب اس نے قوالی کی ہے تو اس کو اس میں سے

جو کچھ مناسب ہو دیا جائے گا۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خرقہ تمام جماعت کا ہے تو ایسی صورت میں ان کو جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ جب تک کہ وہ سماع میں ہیں۔ اور جب سماع ختم ہو جائے تو اس کو بیچ میں جمع کرنا چاہیئے۔ پھر اگر وہاں ان کا کوئی دوست ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسکو اس کے حق کے بموجب دیا جائے بغیر کسی اعتراض اور پکار کے۔ کیونکہ یہ چیز خرقہ کے اور جماعت کے حق کی پابجائی ہے۔

اگر وہاں کوئی صاحب حکم شیخ ہو تو وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے گا خواہ خرقہ کو پھاڑ کر یا تبدیل کر کے یا اس کو واپس دے کر جس طرح چاہے عمل کر سکتا ہے۔

اہل شام نے کہا ہے کہ فقیر اپنے خرقہ کا زیادہ حقدار ہے لیکن جمہور نے اس سے انکار کیا ہے۔

ان میں بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر خرقہ بہ سبیل مساعدت دیا گیا ہو یا تکلف سے مخلوط ہو تو اس کپڑے کو واپس کرنا اولیٰ ہے۔

اکثر مشائخ خرقہ کو بہ سبیل مساعدت پھینکنے کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس میں تکلف ہے جو حقیقت کے خلاف ہے۔

اور اگر وہاں کوئی شیخ صاحب حکم نہ ہو تو سامعین مصلحتِ وقت پر عمل کریں اور اس میں کسی تاخیر کو روا نہ رکھیں۔

صوفیہ پیوند لگے ہوئے کپڑے کو پھاڑنا مکروہ سمجھتے ہیں مگر یہ کہ تبرکاً ایسا ہو اور اگر فقراء کے خرقے ہوں اور وہ پیوند لگانے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو ایسے کپڑوں کا پھاڑنا اولیٰ ہے تاکہ ہر ایک کو اس کا حصہ مل سکے اور ان میں سے کوئی محروم نہ ہو۔

جو لوگ حاضر ہیں اُن ہی کو خرقہ دینا چاہیئے نہ کہ غائب کو کیونکہ غنیمت اس کے لیے ہے جو جنگ میں موجود ہو اور اگر ان کے ساتھ ان کا کوئی دوست ہو تو ان کو خرقہ جس طرح وُہ تقسیم ہو کر دیا جائے گا لیکن اس میں بھی مشایخ کا اختلاف ہے۔

بعضوں نے کہا کہ ان میں درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ وراثت

اور غنیمت میں ہوتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اگر کوئی شیخ تقسیم کرے تو وہ کم و بیش درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے تقسیم کر سکتا ہے اور اگر وہ خود باہم تقسیم کریں تو علی السویہ کریں لیکن جو کپڑا پیوند کے قابل نہ ہو تو اس کو کسی فقیر کو دینا اور ایثار اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

اور اگر دوستوں کے کپڑے ہوں تو ان کو بیچنا اولیٰ ہے یا یہ کہ ایثار کر کے قوال کو دے دیئے جائیں اور ان کو چاک نہ کیا جائے۔

(۳۷)
آداب تزویج کے بیان میں

اولیٰ یہ ہے کہ دیندار اور صالح عورت کی طرف رغبت کی جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے نکاح اس کے دین، مال اور جمال کے لیے کیا جاتا ہے تم کو چاہیئے دیندار عورت سے نکاح کرو۔ اس سے تمھاری پانچوں[1] انگلیاں گھی میں رہیں گی۔ آپ نے فرمایا: سب سے برکت والی عورت وہ ہے جس کے اخراجات کم ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: عورتوں کی خلقت ضعف اور بے پردگی پر ہوتی ہے۔ اُن کے ضعف کا علاج خاموشی سے کرو اور بے پردگی کا ان کو گھر میں رکھ کر۔

صوفیہ کے آداب تزویج کے بارے میں یہ ہیں کہ دنیا کے لئے شادی نہ کی جائے اور نہ مالدار عورت سے، بلکہ سنّت پر عمل کرنے اور غفلت سے بچے رہنے کے لئے پھر اپنی طاقت کے موافق بیوی کے ضروری اخراجات کو برداشت کیا جائے۔ اگر عورت زیادہ کا مطالبہ کرے جو شوہر کی طاقت سے باہر ہو تو اس کو اختیار دے، چاہے وہ غربت و مسکنت میں رہنے کو پسند کرے یا طلاق اور فرقت حاصل کرے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عمل فرمایا تھا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] عربی میں "تربت یداك" یعنی تمہارے دونوں ہاتھوں کو مٹی لگے، جس کو ہمارے محاورہ میں "پانچوں انگلیاں گھی میں" کہا جاتا ہے۔

یٰایہا النبی قل لا زواجك ان	اے نبی کہو اپنی بیویوں سے اگر
کنتن تردن الحیوۃ الدنیا	تم دنیا کی زندگی چاہتی ہو اور یہاں
و زینتہا ۔ الآیہ	کی رونق ۔

اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نو تھیں۔ اس آیت کے اُترنے کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتدا کی اور فرمایا کہ" ایک بات تم سے کہتا ہوں، اس میں ابوبکرؓ سے مشورہ کر لو۔ جب آپ نے اللہ کا حکم سنایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:" کیا میں آپ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں"، اور کہا" میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں"۔ اور کہا کہ" اس کی آپ دوسری۔ ازواج کو اطلاع نہ دیں"۔ آپ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو میں ضرور ان سے کہوں گا (کہ عائشہ نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار ہے) پس جب آپ نے دوسری ازواج مطہرات کو اس کی اطلاع دی تو سب نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقلید کی جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور یہ آیت اتاری:

لا یحل لك النساء من بعد۔	اس کے بعد تم کو عورتیں حلال
(الآیۃ)	نہ ہوں گی۔

ہمارے زمانہ میں بہتر ہے کہ تزویج سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اور نفس کو ریاضت، بھوک اور بیداری اور سفر سے زیر کیا جائے[1]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ حصول کمال اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہو کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ زمانہ تحصیل علم و تربیت میں ازدواجی تعلقات حارج ہوتے ہیں۔ اس قول میں مطلق نکاح کی نفی نہیں کی گئی اور نہ اس کی ممانعت کو بتایا گیا ہے ورنہ انبیائے کرام اور صوفیائے عظام نکاح نہ کرتے۔

نے فرمایا: "تم کو چاہیئے کہ نکاح کرو اور کسی میں اتنی استطاعت نہ ہو تو اسے روزے رکھنا چاہیئے کیونکہ گویا یہ خصی کرنا ہے۔"

بعض صالحین کو کہا گیا کہ آپ نکاح کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا، میرا نفس ہی مجھ کو بس ہے۔ اگر میں اس کو طلاق دے سکتا تو دے دیتا۔ اب ایک اور کو میں کیوں اپنے پیچھے لگا لوں۔

حضرت بشر (حافیؒ) نے کہا کہ اگر مجھے ایک مرغی کا اہتمام سپرد کیا جائے تو میں اپنے نفس سے مطمئن نہ ہوں گا (اور مجھ کو خوف ہو گا کہ کہیں) میں کوتوال کے فرائض تو انجام نہیں دے رہا ہوں (مطلب یہ کہ جس طرح جو ان کو توال کو انتظام کے لئے سختی کرنی پڑتی ہے وہی طریقہ مجھ کو ایک مرغی کے اہتمام میں اختیار نہ کرنا پڑے اور میں ظلم و جور کا عادی نہ ہو جاؤں) پھر فرمایا کہ عفت و پارسائی کے لئے سختی جھیلنا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اہل و عیال کے ساتھ مصالحت کی جائے (اور ان کو راضی رکھا جائے) عورت سے صبر کرنا زیادہ سہل ہے بہ نسبت اس پر صبر کرنے کے (یعنی اس سے تعلق پیدا کر کے تکالیف اٹھانے اور ان پر صبر کرنے کے) ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اہل و عیال کی تکلیف (درحقیقت) سزا ہے حلال شہوت سے متقید ہونے کی۔

حکایت ہے کہ میمونؒ بن مہران کے پاس کسی شخص نے ان کی لڑکی کے لئے نسبت بھیجی تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھتا۔ اس نے پوچھا؛ کیوں؟ تو انہوں نے جواب دیا وہ زیور اور کپڑے مانگتی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جو مانگتی ہے وُہ میرے پاس موجود ہے تو انہوں نے فرمایا تو اب اس کے لئے تم کو موزوں

لہ میمون بن مہران اہل رقہ میں سے تھے۔ ابو ایوب کنیت تھی۔ ان کی ماں قبیلہ ازد کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور باپ قبیلہ بنی نضیر کے مکاتب (غلام جس کو ایک مقررہ رقم دینے پر آزاد کیا جاتا ہے) تھے۔ ابو ملیح کہتے ہیں میں نے میمون سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ صفۃ الصفوہ میں ان کے بہت سے اقوال دیئے ہیں۔ حضور بن عمر اور ابن عباس اور دیگر صحابہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۱۱۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

نہیں سمجھا۔

بعض صوفیہ نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا گیا کہ تم کو اس میں کیا بُرائی نظر آئی؟ انہوں نے کہا کہ کوئی عقلمند آدمی اپنی بیوی کا پردہ چاک نہیں کرتا جب انہوں نے طلاق دے دی تو اُن سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیوں طلاق دی؟ جواب دیا کہ مجھے ایسی عورت کے متعلق جو میرے لئے اجنبی ہوگئی ہے کوئی گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔

روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت[1] فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا تو ان سے فرمایا کہ تم اپنے نکاح کا خطبہ دو۔ اس وقت مہاجرین، انصار جمع تھے۔ ان کے روبرو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الحمد للہ حمداً یبلغہ ویرضیہ	اللہ کے لئے ساری تعریف ہے۔ ایسی
وصلی اللہ علیٰ محمد صلوٰۃً	تعریف جو اس کو پہنچے اور وہ اسکو پسند
تزلفہ وتحظیہ والنکاح لہا	فرمائے اور اللہ محمد پر درود بھیجے جو ان کو
امر اللہ بہ ویرضیہ واجتماعنا	قریب کردے اور فائدہ پہنچائے نکاح
مما اذن اللہ فیہ وقدرہ و	ایک ایسا کام ہے جس کا اللہ نے حکم دیا
ھذا محمد رسول اللہ زوجنی	اور اس کو پسند کیا اور ہم کو اس کے لئے
بنتہ فاطمۃ علیٰ صداق خمسائۃ	جمع ہونے کی اجازت دی اور ہمارے لئے
درھم وقد رضیت فاسئلوہ	مقدر کیا ہے۔ یہ محمد رسول اللہ (صلی
واشھدوہ۔	اللہ علیہ وسلم) تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے
	اپنی صاحبزادی صاحبہ کا بیاہ مجھ سے

---

[1] آں حضرت کی صاحبزادی ہیں۔ سیدۃ النساء کہلاتی ہیں۔ آں حضرت کی نبوت سے ۵ سال پہلے پیدا ہوئیں اور آپ کی وفات کے ۶ ماہ بعد وفات پائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آپ کا نکاح ہوا۔ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما آپ ہی کے بطن سے ہیں۔

پانسو درہم مہر پر کیا ہے جس کو میں نے
منظور کیا۔ پس آپ لوگ اس کے متعلق
دریافت کرلیں اور گواہ رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہمارے گھر میں صرف ایک بکری کی کھال تھی جس پر ہم سوتے تھے اور دن کو اس میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاتے تھے۔"

(۳۸)

آدابِ سوال کے بیان میں

اللہ تعالیٰ فقراء کی مدح میں فرماتا ہے:

۱۔ لا یسئلون الناس الحافا۔ وہ لوگوں سے اصرار کر کے نہیں مانگتے۔

۲۔ واما السائل فلا تنھر۔ سائل کو مت جھڑکو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سائل کو دو اگرچہ وہ گھوڑے پر ہی بیٹھ کر کیوں نہ آیا ہو۔"

نیز فرمایا: "اگر سائل اپنے سوال میں سچا ہے تو جو شخص اس کے سوال کو رد کرے وہ فلاح نہیں پائے گا۔"

نیز فرمایا: "صاحبِ[1] صدقہ کو اس سے زیادہ اجر نہیں ہے جو اس کے قبول کرنیوالے کو ملتا ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہو۔"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر ایسا شخص سوال کرے جو مستغنی ہو تو وہ اپنے لیے دوزخ کی آگ کو زیادہ کر رہا ہے۔"

نیز فرمایا: "کسی مالدار اور قوی تندرست شخص کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔"

---

[1] اس حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کا قبول کرنے والا اگر وہ محتاج ہو تو صدقہ دینے والے سے کم اجر نہیں پائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بضرورت اس نے صدقہ حاصل کیا۔ جھوٹ موٹ کہہ کر صدقہ نہیں لیا اور اپنے آپ کو مرتکب گناہ نہیں کیا۔ گناہ سے بچنا بھی داخل ثواب و اجر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "ایسا پیشہ جس میں دنائت (ذلت) ہو لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے۔"

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر وُہ صوفی جو مصیبت کے وقت اسبابِ ظاہری کو حاصل کرنے (مدد لینے) کا اپنے آپ کو عادی بنائے تو سمجھ لو کہ وہ اپنے نفس کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتا اور نہ صبر کی طاقت (و صفت) اس میں پیدا ہو سکتی ہے۔

حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "جو شخص سوال کا عادی ہو جائے تو اس نے اپنے آپ کو طمع، خیانت اور کذب میں مبتلا کر لیا۔"

اس بارے میں صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ وُہ بجز ضرورت اور حاجت کے سوال نہیں کرتے اور نہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر فقیر سوال پر مجبور ہو جائے تو اس کا کفارہ اس کی سچائی ہے۔

کہا گیا ہے کہ کسی طالب کو رد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر وُہ شریف ہے تو تم اس کی آبرو بچاؤ گے اور اگر وہ کمینہ ہے تو تم اپنے آپ کو اس سے بچاؤ گے اور اپنی آبرو کو اس سے محفوظ رکھو گے۔

صوفیہ سوال کو اپنی ذات کے لئے مکروہ سمجھتے اور اپنے اصحاب کے لئے مستحب خیال کرتے ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت ممشاد دینوریؒ کے پاس جب غریب لوگ آتے تو وہ بازار میں جاتے اور دکانوں سے جو کچھ ملتا جمع کر کے لاتے اور ان کو دے دیتے اور اس چیز کو وُہ سوال نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ نیکی اور پرہیزگاری میں مدد[1] دینا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے لئے سوال کرتے تھے اور اگر یہ بُرا ہوتا تو اس سے احتراز فرمایا جاتا۔

---

[1] یہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (نیکی اور پرہیزگاری میں مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں مدد نہ کرو)

اپنے بھائیوں کے لئے بذل جاہ (آبرو کو خرچ کرنا اور اس سے کام لینا) مستحب ہے۔
بعض مشایخ نے کہا ہے کہ فقیر کے لئے فقر اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی آبرو اُسی طرح خرچ نہ کرے جس طرح کہ وہ اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

خادم کا سوال کرنے میں ادب یہ ہے کہ وہ لینے اور دینے میں اپنے نفس کا کوئی تعلق نہ رکھے اور اس کا بھروسا فقیروں کی ہمت پر رہے اور دونوں فریق کے درمیان مثل وکیل کے کام کرے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب تم سوال کے لئے لوگوں کے پاس نکلو تو نہ تم ان کو دیکھو اور نہ اپنے نفس کو (سوائے خدا کے تمہارے پیش نظر کوئی اور نہ رہے)

حضرت شیخ ابوالعباس نہاوندیؒ[1] کے پاس جب غریب لوگ آتے تو وہ بازار میں جاتے اور جو کچھ کھانا سالن کسی سے ملتا اس کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر لاتے اور غریبوں کو دیتے اور کہا کرتے کہ بیس برس سے میں نے کوئی چیز کسی سے نہیں لی۔ وہ سوال کو مکروہ سمجھتے اور سوال کرنے والوں کو ناپسند کرتے تھے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ سوال کسی کے واسطے جائز نہیں ہے بجز اس شخص کے جس کے پاس دینا لینے سے زیادہ محبوب ہے۔

خادم کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ اپنے لوگوں کے لیے جس قدر خرچ کی ضرورت ہو اتنا قرض لے اور ان پر خرچ کرے پھر سوال کرے اور اپنا قرض ادا کرے۔ یہ بات سلامتی سے قریب تر ہوگی۔

بعضوں نے سوال کو اس شخص کے لیے جائز رکھا ہے جو اس سے اپنے نفس کی تذلیل چاہتا ہو۔

---

[1] ان کا پورا نام احمد بن الحسین القاضی ابوالعباس النہاوندی ہے۔ دارقطنی مشہور محدث کے زمانہ میں تھے ان کا سنِ وفات معلوم نہ ہوسکا۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۱۵۷)

کہا گیا ہے اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو ردّ (سوال) کی ذلت کو نہ چکھے[1]۔
بعض مشایخ سوائے سوال کے نہیں کھاتے تھے۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو کہا کہ یہ میں نے اس لئے اختیار کر رکھا ہے کہ میرے نفس کو اس سے کراہت ہے۔
کہا گیا ہے کہ حکم یہ ہے کہ فقیر بجز وقت حاجت کے کسی سے سوال نہ کرے اور اس میں نہ پہلے سے کوئی ارادہ رکھے اور نہ بعد کا کوئی خیال کرے۔ اس کی زبان مخلوق کی طرف اشارہ کرتی ہو لیکن اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو۔
کہا گیا ہے کہ احرار (جوانمردوں) کی کوشش اپنے بھائی کے لیے ہوتی ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔
کہا گیا ہے کہ سوال کر کے کھانا اس سے بہتر ہے کہ اپنی پرہیزگاری کے ذریعے (واسطہ بنا کر) کھائے۔
کہا گیا کہ جس نے سوال کیا اور اس کے پاس بقدر کفایت کھانے کے موجود ہو، تو خوف ہے کہ اس سے قیامت کے دن فقراء جھگڑا کریں اور کہیں کہ تو نے وہ چیز لے لی جو اللہ نے ہمارے لیے مقرر کر رکھی تھی اور تو ہم میں سے نہیں تھا۔

(۳۹)

آداب صوفیہ بحالت مرض

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے کہا: ایک دن کا بخار ایک سال (کے گناہوں) کا کفارہ ہے۔ آپؐ نے انصار کو جب کہ وہ بخار میں مبتلا تھے،

---

[1] حضرت خواجہ صاحب یہاں ایک نکتہ بہ بیان فرماتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ذوقی اہانت اس کے لیے شیریں ہو جائے۔ ایسی صورت میں ردِّ سوال کی ذلت، ذلت نہ رہے گی اور اس سے نفس کی جو اصلاح مقصود ہے وہ حاصل نہ ہوگی۔ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ہر روز تم خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو اور بسا اوقات وہ تمہارے سوال کو رد کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اپنے ہم جنسوں سے ردّ کی ذلت کو کیوں گوارا کرو۔

کہا "تمہارے لیے خوشخبری ہو کیونکہ بخار کفارہ ہے اور بہت بڑا پاک کرنے والا گناہوں کا ہے"

بعض حکماء نے کہا ہے کہ بیماریوں میں بہت سی نعمتیں ہیں۔ کسی عاقل کے لیے زیبا نہیں ہے کہ اس سے غافل رہے کیونکہ بیماریاں گناہوں سے پاک کرتی اور صبر کا ثواب پہنچاتی ہیں اور غفلت سے جگاتی اور حالتِ صحت کی نعمتوں کو یاد دلاتی ہیں اور توبہ کی تجدید کرتی اور صدقہ پر ابھارتی ہیں۔

حکایت ہے کہ حضرت ذوالنونؒ ایک مریض کی عیادت کے لئے گئے وُہ کراہنے لگے ذوالنونؒ نے کہا "محبت میں وُہ سچا نہیں ہے جو اپنے محبوب کی مار پر صبر نہ کرے"۔ مریض نے جواب دیا "نہیں بلکہ محبت میں وہ صادق نہیں جو اپنے محبوب کی مار سے لذّت اندوز نہ ہو"

حکایت ہے کہ بعض عارفین میں سے ایک صاحب مریض ہُوئے اور انہوں نے طبیب سے اپنی شکایت بیان کی۔ ان سے کہا گیا کہ کیا یہ شکوہ و شکایت نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: "نہیں یہ تو قادر کی قدرت سے خبر دیتا ہے"۔

الکلیب السخاویؒ کے خادم نے بیان کیا کہ میرے شیخ نے ایک دن مجھ سے کہا کیا میری جلد کے اوپر کا کوئی حصّہ کیڑوں سے خالی ہے سوائے زبان کے؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا: اسی طرح میری جلد کے اندر کا کوئی حصّہ کیڑوں سے نہیں بچا ہوا ہے سوائے قلب کے۔

جب ممشاد دینوریؒ بیمار ہوئے تو ان سے پوچھا گیا: آپ کی بیماری کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: بیماری سے پوچھو کہ وُہ کس طرح مجھ کو پاتی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کے قلب کی کیا کیفیت ہے؟ انہوں نے کہا: "تیس برس ہوئے کہ میں نے اپنے دل کو کھو دیا ہے"۔

بعض مشایخ نے کہا کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بیمار ہو کر اچھا ہو جاؤں اور اللہ کا شکر ادا کروں بہ نسبت اس کے کہ بیماری میں مبتلا ہو کر صبر کرتا رہوں۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السّلام کے قصہ میں فرمایا ہے:

نعم العبد انّہٗ اوّاب۔ وہ کیا اچھا بندہ ہے کہ خدا کی طرف متوجہ ہے۔

اور ایوب علیہ السلام اور ان کی بلاؤں کے قصہ میں فرمایا:

"نعم العبد" کیا ہی اچھا بندہ ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے اللہ کے بندو! دوا کرو کیونکہ اللہ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کے لیے دوا نہ ہو"
آپ سے کہا گیا: "یا رسول اللہ! کیا دوا کرنے سے قضاء الٰہی پلٹ جائے گی" تو آپ نے فرمایا: "وہ بھی تو قضائے الٰہی ہے[1]"

(۴۰)

حالتِ موت کے آداب کے بیان میں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کا (جو لذات کو منہدم کرنے والی ہے) زیادہ ذکر کرتے ہو کیونکہ جو بندہ اس کو وسعت و کشادگی کی حالت میں یاد کرے گا تو وہ کشادگی تنگ ہو جائے گی اور اگر تنگی کی حالت میں اس کو یاد کرے گا تو اس میں کشادگی پیدا ہو جائے گی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ مرضِ موت واکرباۃ (ہائے تکلیف) کہا تھا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ خدا پر اپنی مضبوطی و بہادری کا اظہار نہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، نیز کہا گیا ہے کہ اُمت کو شدتِ موت کی خبر دینا مقصود تھا تاکہ وہ موت کی تکلیف سے ڈرتی رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے یہ اعتراف عجز اور تواضع کے لئے فرمایا تھا تاکہ ایسا کہنا مشروع ہو۔

---

[1] عمواس میں جو شام کا ایک مقام ہے مسلمانوں کی فوج میں طاعون پھیلا اور لوگ مرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سپہ سالار فوج حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لکھا کہ فوج کو کسی بلند مقام پر منتقل کر دو۔ حضرت ابو عبیدہ نے جواب دیا کہ قضائے الٰہی سے بھاگ کر ہم یہ عمل کریں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا: ہاں اس صورت میں ہم قضائے الٰہی سے قضائے الٰہی کی طرف بھاگیں گے۔

نیز کہا گیا ہے کہ جب آپ پر وُہ باتیں جن کا وعدہ کیا گیا ظاہر ہوئیں اور خدائے تعالیٰ کی ملاقات کا وقت پہنچا تو آپ نے دنیا اور اس کی مخلوق کی زحمت کا خیال فرماتے ہُوئے "ہائے تکلیف" فرمایا کہ جو کچھ حجاب باقی ہے وُہ کب رفع ہوگا اور رب الارباب سے وصال کب حاصل ہوگا۔

جریری[1] کہتے ہیں کہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت ان کے نزدیک تھا اور اس وقت وُہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ "اپنے نفس پر رحم کیجئے" انہوں نے فرمایا کہ "اس وقت سب سے زیادہ جس چیز کی مجھے ضرورت ہے وہ یہی تو ہے" اب تو میرا صحیفۂ حیات لپیٹ دیا جا رہا ہے تو اس کا خاتمہ قرآن پر ہونا بہتر ہے۔ پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ جب سورۂ بقر کی ستر آیتیں پڑھ چکے تو واصل بحق ہُوئے۔

حکایت ہے کہ نساج[2] نے بوقتِ نزع ملک الموت کو دیکھا اور فرمایا کہ "تم بھی مامور بندہ ہو اور میں بھی مامور بندہ ہوں جس کا تم کو حکم دیا گیا ہے وہ فوت نہ ہونے پائے اور جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ بھی فوت نہ ہو۔ پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور نماز پڑھی اور تکبیر پڑھی اور جاں بحق ہُوئے۔

علی بن سہل[3] رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کیا تم سمجھتے ہو کہ میں عام بیماروں کی طرح مروں گا جب مجھ کو بلایا جائے گا تو میں اس کو (بخوشی) قبول کروں گا۔ چنانچہ ایک دن

---

[1] احمد بن محمد حسین ابو محمد جریری، سری سقطی سے انہوں نے حدیث کی روایت کی۔ جنید ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اپنے بعد ان سے مستفید ہونے کی ہدایت کی۔ ان کا سنِ وفات ۳۱۱ھ ہے۔

[2] ان کا نام محمد بن اسمٰعیل ہے اور کنیت ابوالحسن، اکابر صوفیہ میں سے ہیں اور صاحبِ کرامات۔ بغداد کے ایک محلہ سامرا میں رہتے تھے۔ ۳۲۲ھ میں بعمر ۱۲۰ سال فوت ہوئے۔ (المنتظم)

[3] علی بن سہل بن المغیرہ ابوالحسن البزاز، شجاع بن الولید اور ابونعیم سے حدیث روایت کی ہے۔ ۲۷۱ھ میں فوت ہُوئے۔

بیٹھے ہوئے تھے یکایک لبیک (حاضر ہوں) کہا اور وفات پائی۔

حکایت ہے کہ جب احمد[1] بن خضرویہؒ کی وفات کا وقت آیا تو ان پر سات سو دینار کا قرض تھا اور ان کے قرض خواہ ان کے اطراف جمع ہو گئے۔ انہوں نے ان کی طرف دیکھا اور کہا: "اے اللہ تُو نے مالداروں کے لیے رہن کو وثیقہ گردانا ہے تو میرے قرض خواہوں کا وثیقہ لے لے اور اس کے بعد مجھ کو اپنے پاس بلا۔" اتنے میں کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا: "کیا یہ احمد بن خضرویہ کا گھر ہے؟" لوگوں نے کہا: "ہاں۔" پوچھا: "ان کے قرض خواہ کہاں ہیں؟" وہ اس کے پاس گئے۔ اس نے ان کا قرض چکتا کر دیا۔ اس کے بعد ان کی رُوح قالب سے جُدا ہو گئی۔

حضرت ابوعثمان کی وفات کا وقت آیا تو اُن کے لڑکے نے اپنی قمیص کو چاک کر دیا (شدت الم سے) تو انھوں نے آنکھیں کھولیں اور کہا کہ بیٹا تم نے ظاہر میں خلاف سنّت عمل کیا جو قلب کی ریاء باطن کو ظاہر[2] کرتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو موت کے وقت لا الہ الا اللہ کی تلقین کی گئی تو فرمایا: "کیا میں اس کو بھول گیا ہوں جو یاد کروں۔"

حضرت ابومحمد دویلیؒ کو لا الہ الا اللہ کہنے کو کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو ہم جانتے ہیں اور اسی پر ہم فنا ہوں گے۔

اسی طرح حضرت رویمؒ سے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کے سوا غیر کا احساس نہیں رکھتا۔

حکایت ہے کہ حضرت ابوسعید[3] الخراز موت کے وقت بحالتِ وجد تھے۔ ان کے

---

[1] ابن خضرویہ البلخی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابوطاہر ہے۔ ابوتراب نخشبی اور حاتم اصم کی صحبت اٹھائی ہے اور ابوحفص نیشاپوری کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ہیں ابوحفص کا قول ہے کہ میں نے احمد بن خضرویہ سے زیادہ عالی ہمت اور صادق الحال کسی کو نہیں دیکھا۔ ۲۴۰ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

[2] اس جملے کے یہ معنے معلوم ہوتے ہیں تمہارے غم کا اثر بظاہر جس قدر معلوم ہوتا ہے اس قدر قلب میں نہیں۔

[3] ان کا نام احمد بن عیسیٰ ہے ہمیشہ ذکر و مراقبہ میں رہتے تھے۔ انہوں نے ابراہیم بن بشار سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے علی محمد بن المصری نے روایت کی ہے۔ ۲۷۷ھ میں فوت ہوئے۔

تمام بدن سے رُوح نکل چکی اور حلقوم میں آکر اٹک گئی تھی اور وُہ یہ شعر بہ شکل رجز پڑھ رہے تھے۔

وجنت القلوب العاشقین بذکرہ

وتذکارھم وقت المناجات للسر

(اس کے ذکر سے عاشقوں کے دل دیوانہ ہوگئے اور مناجات کے وقت

ان کی یاد پوشیدہ طور سے کی جاتی ہے)

و اجسامھم فی الارض سکریٰ لحبہ

وارواحھم فی الحجب نحو العلی تسری

(ان کے جسم زمین میں محبت سے سرشار ہیں اور ان کی روحیں تعجب کے ساتھ

بلندی کی طرف چڑھ رہی ہیں۔)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کی طرف دیکھا جو دم توڑ رہا تھا۔ فرمایا کہ "جس انسان کی آخری حالت یہ ہو تو اس کو اوّل ہی زہد اختیار کرنا چاہیے اور اگر انسان کی اوّل حالت یہ ہو تو آخری حالت سے ڈرنا چاہیئے"

حکایت ہے کہ جب حضرت شبلی علیہ الرحمۃ علیل ہوئے اور ان کی زندگی کی امید نہیں رہی تو تمام مشائخین ان کے پاس جمع ہوگئے اور ان کے اطراف بیٹھے رہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا خبر ہے تو ماکی نے جو سب میں زیادہ ان سے بے تکلف تھے، کہا کہ یہ لوگ آپ کے جنازہ میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ حضرت شبلیؒ نے کہا: "بڑے تعجب کی بات ہے کہ مُردے زندہ کے جنازے کے لئے آئیں"۔

حضرت ابوبکر دینوریؒ[1] کہتے ہیں کہ جب شبلیؒ وفات پانے لگے تو کہا کہ مجھ پر ایک درہم کا مظلمہ (ظلم سے حاصل کیا ہوا درہم) ہے۔ میں نے ہزاروں روپیہ اس شخص کی جانب سے خیرات کیے لیکن میرے دل پر اس سے زیادہ کسی چیز کا بار نہیں ہے۔ پھر کہا مجھ کو وضو کراؤ

---

[1] ان کا نام محمد بن عبید اللہ تھا۔ بغداد میں رہتے تھے۔ سلطان جلال الدولہ اکثر ان کی ملاقات کیلئے آتا تھا۔ ۲۳ شعبان ۴۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ (المنتظم ج ۸)

تو میں نے ان کو وضو کرایا لیکن ان کی ڈاڑھی میں خلال کرانا بھول گیا۔ اس وقت ان کی زبان بند ہوگئی تھی۔ انہوں نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور اپنی ڈاڑھی میں اس کو داخل کیا (خلال کرنے کیلئے) درحالیکہ ان کی پیشانی پر پسینہ آگیا تھا۔ اس حالت میں بھی انہوں نے اس قدر سنت کو بھی چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ اس کے بعد وفات پا گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عمرو[1] بن العاص کے پاس آئے اور وہ اس وقت احتضار کی حالت میں تھے اتنے میں ان کے بیٹے عبداللہ بھی آ گئے انھوں نے عبداللہ سے کہا کہ اس صندوق کو لے لو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ مال سے بھرا ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ اے کاش! وہ فقر سے بھرا ہوتا۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ اے ابا عبداللہ! آپ کہا کرتے تھے کہ میں کسی عقلمند آدمی کو بحالتِ مرگ دیکھ کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ موت کی کیفیت کس طرح ہوتی ہے۔ تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کیا محسوس کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آسمان کو زمین پر ڈھکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور میں اس کے درمیان ہوں اور میری جان گویا سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اے اللہ! جو کچھ ہے مجھ سے لے لے تاکہ تو راضی ہو جائے۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ اے اللہ! تو نے حکم دیا میں نے نافرمانی کی۔ تو نے منع کیا میں نے اس کا ارتکاب کیا۔ مجھے اب عذر کا کوئی موقع نہیں ہے اور نہ کوئی اور قوی ہے کہ میں اس سے مدد چاہوں۔ لیکن میں کہتا ہوں "لا الٰہ الا اللہ" اس طرح تین مرتبہ کہا اور وفات پائی۔

جب عبدالملک[2] بن مروان پر احتضار کا وقت آیا تو اس نے اپنے لڑکے لڑکیوں

---

[1] انہوں نے اور ان کے والد نے قبل فتح مکہ ہجرت کی تھی بڑے عبادت گزار اور عالم ربانی تھے اور آں حضرتؐ کی احادیث کو تحریر فرمایا کرتے تھے۔ ۶۵ھ میں بمقام مصر وفات پائی۔

[2] مشہور پانچویں اموی خلیفہ ہیں۔ علمائے حدیث نے ان کو ثقہ لکھا ہے۔ خلافت سے پہلے مدینہ کے عامل رہے ہیں اور فقہاء اور قراء مدینہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ بہت سے صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں ۶۰ سال کی عمر میں ۸۶ھ میں فوت ہوئے اور دمشق میں دفن ہوئے۔

کی طرف نظر کی جو اس کے اطراف رو رہے تھے اور یہ اشعار پڑھے : ؎

ومستخبر عنا یرید بنا الردی

ومستخبرات والعیون سواجم

(بہت سے ہماری خبر پوچھنے والے مرد اور عورتیں ہیں جو ہماری ہلاکت چاہتے ہیں درحالیکہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں[1])

(۴۱)

آداب صوفیہ بوقت آفت و مصیبت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وفتناك فتونا۔ ہم نے آزمایا ہے تم کو اچھی طرح سے۔

اس کے معنے بعض مفسرین یہ لیتے ہیں کہ ہم نے ان کو اچھی طرح پکایا یہاں تک کہ وہ پاک ہو گئے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے اولیاء کے لئے بلا کا ذخیرہ کیا ہے جیسا کہ اپنے دوستوں کے لئے شہادت کا ذخیرہ کیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم گروہ انبیاء لوگوں میں سب سے بڑھ کر مصیبت اٹھانے والے ہیں پھر ان میں جو افضل ہیں وہ بقدر اپنی فضیلت کے (مصیبت اٹھاتے ہیں)"۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو نوجوان ہونے کے باوجود عابد ہو اور جو مصیبت زدہ ہو کر صابر ہو اور فقیر ہو کر خوش رہے"۔

---

[1] بظاہر یہ حکایت اس موقع پر غیر ضروری معلوم ہوتی ہے لیکن خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں دیندار لوگوں کے ساتھ ایک دنیادار کی موت کی حالت کا نقشہ بھی بتانا تھا اس لیے شیخ نے اس کا ذکر کر دیا۔ "وبضدها تتبین الاشیاء"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی خبر گیری کرتا ہے جیسا کہ کوئی شفیق باپ اپنے لڑکے کی خبر گیری کرے۔"

اور اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ بیقراری کو ترک کرے۔ کسی سے شکایت نہ کرے اور بلا کے ثمرہ کو ملحوظ رکھے۔

صابروں کے لیے جو اجر خدا نے مہیا کیا ہے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔	صبر کرنے والوں کو اس کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

جس نے بلاء کو مبتلا کرنے والے کی طرف سے دیکھا تو اس کے دیدار کی وجہ سے اس کو بلاء کی تلخی اور سختی محسوس نہیں ہونے پائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

واصبر لحکم ربك فانك باعیننا۔	صبر کر اللہ کے حکم کے لئے کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

دیکھو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر زنان مصر کس طرح اپنے انگلیوں کے زخم کی تکلیف بھول گئیں اور ان کو اس کی اس وقت خبر ہوئی جب آپ ان کے سامنے سے چلے گئے۔

خدائے تعالیٰ نے فرمایا،

فلما رأینه اکبرنه و قطعن ایدیهن وقلن حاش للہ ما ھذا بشراً۔	جب انہوں نے اس کو دیکھا تو حیران رہ گئیں اور اپنی انگلیوں کو کاٹ لیا اور کہہ اٹھیں توبہ توبہ یہ تو انسان نہیں۔

بعض آوارہ لوگوں سے پوچھا گیا کہ مار توڑ تم پر کب آسان ہوتی ہے تو انہوں نے کہا کہ جب ہم اپنے محبوب کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں تو اس وقت بلا ہمارے لئے عیش اور جفا ہمارے لیے، وفا اور محنت ہمارے لئے نعمت ہو جاتی ہے

مجنون[1] عامری کے اشعار ہیں ؎

---

[1] مشہور عالم "لیلیٰ" کا شیدائی ہے جس کو قیس عامری بھی کہتے ہیں۔

ومن اجل لیلیٰ افحم القلب والحشا

ومن اجل لیلیٰ قربوا الی مکانیا

(لیلیٰ کی وجہ سے میرا دل وجگر دردمند ہوگیا اور لیلیٰ کی وجہ سے انہوں نے میری جگہ کو نزدیک کر دیا)

ومن اجل لیلیٰ رحّل القوم من منیٰ

یتضبح دمائی حبّذا کنت جانیا

(لیلیٰ کی وجہ سے وہ لوگ منیٰ سے چلے گئے" تاکہ میرا خون بہائیں ۔ بہت اچھا ہوتا اگر میں گنہگار رہوتا)

ومن اجلها سمیت مجنون عامری

فدتها من المکروہ نفسی وما لیا

(میں لیلیٰ کی وجہ سے مجنون عامری کے نام سے موسوم ہوا ۔ میری جان اور میرا مال اس کی مصیبت میں فدا ہوجائے)

ایضاً

فلولاك یا لیلیٰ لما جئت طارقا

ادور علی الابواب بالذل راضیا

(اے لیلیٰ اگر تو نہ ہوتی تو میں رات کے وقت لوگوں کے دروازوں پر گھومتا ذلت اٹھاتا ہوا نہ آتا)

ایضاً

تداویت من لیلیٰ بلیلیٰ وجهها

کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

(میں لیلیٰ کے (ظلم وجفا کا) لیلیٰ ہی سے علاج کرتا ہوں ۔ جیسا کہ شراب پینے والا شراب سے اپنا علاج کرتا ہے)

ابوالفیض (ذوالنون مصری) عفا اللّٰہ عنہ وغفرلہ (خدا انہیں معاف کرے اور

مغفرت فرمائے) کے اشعار ہیں : ؎

وقف الهوٰی بی حیث انت فلیس لی

متاخرعنه و لا متقدم

(محبت[1] نے مجھ کو ایسی جگہ ٹھہرا دیا ہے کہ میں اس سے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں اور نہ آگے بڑھ سکتا ہوں)

ان الملامة فی هواك تزیدنی

حبا لذكرك فیلمنی اللوم

(تیرے عشق میں ملامت محبت کی وجہ سے تیری یاد کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ پس ملامت گر جس قدر چاہیں مجھے ملامت کریں)

اشبهت اعدائی فصرت احبهم

اذ اکان حظی منك حظی منهم

(تو میرے دشمنوں کے مشابہ ہو گیا ہے (تکلیف دینے میں) اس وجہ سے میں اپنے دشمنوں سے محبت کرنے لگا ہوں۔ کیونکہ تیرا جو سلوک مجھ سے ہے وہی ان کا سلوک میرے ساتھ ہے)

واهنتنی فاهنت نفسی عامدًا

یا من یهان علیك ممن بكرم

(تو نے مجھ کو ذلیل وخوار کر دیا تو میں نے بھی اپنے نفس کو عمداً ذلیل وخوار کر دیا اے وہ شخص جس کے پاس معزز بھی ذلیل ہو جاتے ہیں)

---

[1] غالب کا یہ شعر اسی کے ہم مضمون ہے ؎

ہوئے ہیں پانوں پہلے ہی نبرد عشق میں زخمی

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

دیکھو ان لوگوں پر مصیبت کس قدر آسان ہو جاتی ہے جب کہ وہ اپنے محبوب کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس مصیبت سے وہ لذت یاب ہوتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ یہی حالت اس شخص کی ہے جو اپنے دعوٰی میں سچا اور اپنی مصیبت کی حقیقت کو سمجھتا ہو۔ اس کو زمانہ کا تغیر متاثر نہیں کر سکتا اور مصیبتوں اور ملامتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

ان میں سے بعض نے کہا ہے ؎

ذُلُّ الفتی فی الحب مکرمۃ

وخضوعہ لحبیبہ شرف

(انسان کی ذلت محبت میں عزت ہے اور اس کا اپنے دوست کے لیے جھک جانا شرف ہے)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ سے کہا گیا کہ ابوذر[1] رح کہتے ہیں کہ فقر ان کو غنا سے زیادہ پسند ہے اور بیماری تندرستی سے زیادہ مرغوب ہے آپ نے ارشاد فرمایا: "ابوذر پر اللہ رحم کرے لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے جو حالت بھی پسند فرمائے اگر اس پر بندہ توکل کرے تو وہ پھر کسی دوسری حالت کو اپنے لیے پسند نہیں کرے گا۔"

حکایت ہے کہ ایک جماعت حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جبکہ وہ جیل خانہ میں مقید تھے، آئی، حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھ کر پوچھا: "تم لوگ کون ہو؟" انہوں نے کہا کہ "آپ کے دوست ہیں"۔ یہ سن کر ان کو حضرت شبلی رح پتھروں سے مارنے لگے۔ جب انہوں نے بھاگنا شروع کیا تو حضرت شبلی رح نے کہا: او جھوٹے لوگو! تم میری محبت کا دعوٰی کرتے ہو اور میری مار پر صبر نہیں کر سکتے، مجھ سے دُور رہو۔

اور ان کے آداب میں سے ہے کہ وہ (خواہ مخواہ) مرنے کی شکل نہیں بناتے

---

[1] ابوذر: جندب بن جنادہ، مشہور صحابی ہیں۔ قبیلہ غفار سے ان کا تعلق ہے۔ مکہ میں اسلام لائے۔ ان کے بڑے مناقب ہیں۔ ۳۱ ھ میں فوت ہوئے۔

اور نہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ بہ تکلف ہی سہی صبر اور بہادری کو ظاہر کرتے ہیں[1]

ابوہریرہؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا! "قوی مومن اللہ کو زیادہ محبوب ہے ضعیف مومن سے ۔ وہ چیز جس سے ہم کو نفع پہنچ سکتا ہے اس پر حرص کرو اور اللہ سے مدد چاہو اور عاجز نہ ہو اور اگر کوئی مصیبت آئے تو کہو اللہ نے اس کو مقدر کیا تھا اور اس نے جو چاہا کیا اور اس بات سے ڈرتے رہو کہ شیطان کے عمل کا کوئی دروازہ تم پر نہ کھلے[2]

ابن عطاءؒ نے کہا ہے کہ مصیبت کے وقت بندہ کا صدق و کذب ظاہر ہوتا ہے جو شخص ترفہ کی حالت میں شکر گزاری نہ کرے اور مصیبت کے وقت بے صبری کا اظہار کرے تو وہ جھوٹا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

الٓمٓ ۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنّا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم ولیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ۔

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ صرف "امنا" کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا ، بے شک ہم نے ان سے پہلے کے لوگوں کو بھی آزمایا اور اللہ ضرور ان لوگوں کو معلوم کرنا چاہتا ہے جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں ۔

---

[1] خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دوسری جگہ شیخ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (واکرباہ) کہنے کی یہ تاویل کی ہے کہ آپ نے یہ تجلد کو ترک کرنے کے خیال سے فرمایا ؛ اس طرح یہ قول اس کے مخالف پڑتا ہے لیکن دونوں قولوں میں اس طرح توجیہ ہوسکتی ہے کہ مخلوق کے سامنے تجلد و تصبر کا اظہار کیا جائے لیکن خالق کے سامنے عجز و انکسار کا طریقہ اختیار کیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ موت کی حالت انسان کو مخلوق سے دور اور خالق سے قریب کر دیتی ہے ۔

[2] یعنی شیطان تم کو گمراہ نہ کرسکے اور اس کا داؤ تم پر کارگر نہ ہو جائے ۔

نیز فرمایا ہے:

ولنبلونکم حتّٰی نعلم المجاھدین منکم والصابرین۔ — ہم آزمائیں گے تم کو یہاں تک کہ معلوم کریں گے تم میں کون مجاہدین ہیں اور کون صابرین۔

مصیبت انسان کے لیے بمنزلہ دباغ[1] کے ہے جس سے انسان کی رعونتیں نکل جاتی ہیں اور اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ اس سے استفادہ ممکن ہو جاتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بلاء عارفین کا چراغ ہے اور مریدین کی بیداری اور غافلوں کی ہلاکت۔

حضرت جعفر[2] صادق رضی اللہ عنہ جب کبھی آپ پر کوئی مصیبت آئی یہ کہا کرتے تھے "اے اللہ! اس کو میرے لیے باعثِ ادب بنا اور اس کو (موجب) غضب نہ کر" اور بلاء کبھی اللہ کی طرف سے پاک کرنے کے لیے ہوتی ہے اور کبھی تادیب کے لیے ہوتی ہے اور کبھی سزا اور رسوائی کے لئے۔

حریری رح نے کہا ہے کہ بلائیں تین طرح کی ہوتی ہیں۔ غافلوں پر انتقام اور عقوبت کے لئے اور گنہگاروں کو ان کے گناہوں سے پاک کرنے کے لئے اور انبیاء اور صدیقوں کو ان کے اختیار[3] کی ہوئی سچائی کے لیے۔

صوفیہ کے آداب اور سیرت سے واقفیت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ ان کے حکایات (حالات) معلوم ہوں۔

---

[1] دباغت دینے والا چمڑے کو قماش کرنے والا۔

[2] جعفر بن محمد بن علی الشہید الحسین بن علی بن ابی الطالب الہاشمی الامام ابو عبداللہ العلوی المدنی الصادق۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں پایا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)

[3] یعنی جس چیز کو انہوں نے اپنے لیے اختیار کیا ہے اس میں وہ کس قدر سچے ہیں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حکایات سے مریدین کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے تو انہوں نے کہا کہ وُہ ان کے قلوب کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ پوچھا گیا کہ اس پر کتاب اللہ سے کوئی دلیل لائی جا سکتی ہے؟ جواب دیا: ہاں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وکلا نقص علیك من انبیاء الرسل ماتثبت به فوادك۔

رسولوں کی ساری خبروں کو ہم تم سے بیان کرتے ہیں تاکہ تمہارے دل کو ثبات (وتقویت) حاصل ہو۔

(۴۲)

رخصتوں کے آداب کا بیان

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کی رخصت[لہ] سے فائدہ اٹھایا جائے جیسا کہ اس کے فرائض کو ادا کیا جائے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم نماز میں کیوں قصر کریں جب کہ ہم امن کی حالت میں ہو گئے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے ہم کو دیا ہے تو اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

رخصت مریدین میں سے مبتدی کے لیے پن گھٹ ہے جس پر وہ پہنچتا ہے اور متوسط وہاں آرام لیتا ہے اور عارف اس سے جلد گزر جاتا ہے اور محقق اس کو اپنا وطن نہیں بناتا کیونکہ وہ ایک وسیع وادی ہے جس میں بہت سی آفتیں ہیں بجز اس کے کہ وہاں سے مجبوراً گزر جانے کی نیت ہو (ایسی صورت میں رخصت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے)۔

اگر محفوظ چراگاہ کے قریب جانور چرنے لگیں تو اندیشہ ہے کہ اس میں نہ آ گریں۔

لہ رخصت کے معنے امور جائز کے ہیں جس کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار مکلف کو دیا گیا ہو۔ عزیمت فرض کو کہتے ہیں جس کا کرنا ضروری و لازمی ہو۔

ہاں اللہ کی محفوظ چراگاہیں اس کے محارم (وہ چیزیں جن کو اس نے حرام کیا ہے) ہیں جو درجۂ حقیقت سے گر جائے وہ رخصتوں میں پڑ نا ہے اور رخصتوں کے درجہ سے گر جائے تو وہ گمراہی اور جہالت میں گر پڑتا ہے۔

رخصت صوفیہ کے مذہب میں حقیقت علم سے ظاہر کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ ان کی حالت کا نقص ہے۔

بعض مشایخ سے فقیر کی بے ادبی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ درجۂ حقیقت سے ظاہر کی طرف انحطاط کا نام ہے۔ اسی طرح حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا کہ عارفین کی ریاء مریدین کی اخلاص سے بہتر[1] ہے۔

ان سے مقربین کے گناہوں کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں[2]۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو وصال کے بعد خواب میں دیکھ کر بعض لوگوں نے ان سے پوچھا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟" کہا کہ مجھے ایک بات پر سرزنش

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف کامل کو بعض اوقات مریدین کی تعلیم کے لئے کوئی عمل کرنا پڑتا ہے، مقصود افادہ و استفادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کو ریاء کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس نفع عمومی کے لحاظ سے اس عمل سے جو انفرادی اور ذاتی حیثیت سے کیا جائے۔ گو خلوص ہی سے کیوں نہ ہو زیادہ بہتر ہے۔

[2] سلوک میں سالک کے جس قدر مدارج بڑھتے ہیں نیچے کی حالت پست اور کمتر نظر آتی ہے اور وہ ان کے پاس مثل برائی کے ہے۔ اس کی تشریح بعد کے اقوال اور حالات سے مزید ہو گی اس موقع پر مثنوی شریف کی حکایت موسیٰ اور چرواہے کو پیش نظر رکھنا چاہئے جس میں مولانا نے کہا ہے کہ: ؎

در حقِ او مدح و در حقِ تو ذم
در حقِ او شہد و در حقِ تو سم

فرمائی گئی جو میرے منہ سے نکل گئی تھی اور یہ کہ ایک سال پانی نہیں برسا۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو پانی کی بڑی ضرورت ہے تو فرمایا کہ کیا میں نہیں جانتا ہوں کہ لوگ پانی کے محتاج ہیں، تو مجھ کو سکھاتا ہے حالانکہ میں علیم و خبیر ہوں۔ جا میں نے تجھ کو بخش دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ سے کہا گیا کہ اہل صفہ میں سے فلاں شخص فوت ہو گیا اور ان کے پاس دو دینار یا دو درہم نکلے۔ آپ نے فرمایا: یہ دو ذلتیں ہیں۔ تم لوگ اپنے ساتھی کی (نماز جنازہ) پڑھ لو[1]

یہ امر صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو بعد وفات بہت کچھ مال و دولت چھوڑ جاتے تھے لیکن آپ نے ان پر اعتراض نہ کیا۔ لیکن اس شخص پر اس وجہ سے اظہار ناراضی فرمایا کہ اس کا دعویٰ اس کے معنے کے مخالف پایا گیا۔

دیکھو نماز طاعت و عبادت ہے لیکن اس کے لئے جو محدث نہ ہو اور قرآن کی قرأت قربت ہے۔ لیکن اس کے لیے جو ناپاک نہ ہو اگر کسی شخص نے بحالت حدث نماز پڑھی یا بحالتِ جُنُب قرآن کی تلاوت کی تو وہ مستحق غضب و عقوبت ہوگا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص کسی قوم سے تشبہ اختیار کرے تو وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا۔ یہاں تشبہ سے مراد سیرت میں مشابہ ہونا ہے نہ کہ لباس میں۔

کیونکہ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے سامنے اپنی

---

[1] یعنی خود نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ دوسروں کو نماز پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا یہ بتانے کے لیے اس روایت کو لایا گیا ہے کہ دو دینار یا دو درہم کا رکھنا شرعاً ناجائز نہیں تھا لیکن اصحاب صفہ کے لیے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کیونکہ اس گروہ میں وہ لوگ داخل ہوتے تھے جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا اور اس بنا پر ان کا تکفل اور اعانت کی جاتی تھی۔ غالباً یہی وجہ آپ کی ناراضی کی ہو یہیں سے حسنات الابرار، سیئات المقربین کا مسئلہ حل ہوتا ہے۔

باتوں اور لباس سے آراستہ ہو کر آئے اور اس کے اعمال اس کے مخالف ہوں تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت[1] ہے۔

پھر رخصتوں کے متعلق صوفیہ کے آداب و اخلاق ہیں جن کو رخصت پر عمل کرنیوالے کو جاننا چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ وہ ان کے طریقہ پر کاربند اور ان کے آداب و اخلاق سے مزین ہو یہاں تک کہ محققین کے مقامات اور احوال کو حاصل کرے۔

ان کی رخصتوں کے منجملہ ایک یہ ہے کہ انھوں نے کسی صنعت کے سیکھنے اور اس کی اجرت سے استفادہ کرنے کو جائز رکھا ہے۔

اور اس بارہ میں اُن کا ادب یہ ہے کہ ایسی صنعت کو حاصل کرے جس میں ان کے نفس کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ وہ اس کو اپنی مصالح (ضرورتوں) پر خرچ کرے اور ایک سال سے زیادہ کا خرچ اپنے اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لیے نہ رکھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی نضیر کی آمدنی اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص فرما دی تھی کیونکہ مسلمانوں کے سوار یا پیدل (فوج) نے اس کو فتح نہیں کیا تھا جس میں سے آپ اپنے اہل و عیال کا ایک سال کا خرچ نکال کر مابقی کو جہاد کے لئے۔ سواریوں کی فراہمی اور ساز و سامان کی تیاری میں صرف فرماتے تھے۔

منجملہ اس کے یہ ہے کہ کسی کسب میں مشغول ہو۔ اگر اہل و عیال رکھتا ہو اور والدین اس کے زیر پرورش ہوں تو اس بارے میں ان کے آداب یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض کو ان کے مخصوص اوقات میں لازم کیا ہے، ان کے ادا کرنے میں کسی قسم کی بے توجہی نہ کرے اور اس کو صرف اپنے پیٹ بھرنے کا ذریعہ نہ بنائے بلکہ اس سے مسلمانوں کی معاونت مقصود سمجھے اور اس میں اپنے اوقات کا اکثر حصہ

---

[1] خواجہ صاحب اس موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں جو شخص صوفیوں کا لباس پہننے اور ان کی سی باتیں بنانے لگے لیکن اس میں نہ ان کا عمل ہو اور نہ ان کا حال تو وہ بھی اسی کا مصداق بنے گا۔

صرف نہ کرے بلکہ کوشش کرے کہ اس کے اوقاتِ کسب دن نکلنے کے بعد سے آخر وقت ظہر تک رہیں۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور آئندہ دن کے صبح تک اسی میں مشغول رہے اور جو کچھ اپنے نفقہ سے بچ رہے وہ اپنے بھائیوں اور ساتھیوں پر خرچ کرنے کو ترجیح دے۔

منجملہ رخصتوں کے سوال بھی ہے اور اس کے آداب یہ ہیں۔ بہ وقت حاجت سوال کرے اور جس قدر متعلقین کی ضرورت ہے اس پر کفایت کرے اور (اپنی) آبرو کو اس (شخص) کے لیے خرچ نہ کرے جس پر اس کا رد کرنا آسان ہو[1]۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم اگر سوال کرو تو نیک بندوں سے سوال کرو" اور سوال کرنے میں نرمی اختیار کرو بغیر اپنے آپ کو ذلیل کئے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: "اللہ تعالیٰ اس فقیر پر لعنت بھیجے جو مالدار کی تواضع اس کے مال کی خاطر کرتا ہے"۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ اشعار مروی ہیں: ؎

لا تخضعن لمخلوق علی طمع

فان ذلك وهن منك فی الدین

(لالچ کی خاطر کسی مخلوق کے سامنے نہ جھکے کیونکہ یہ دین میں تیری جانب سے ضعف پیدا کرتا ہے)

واستغن باللّٰه عن دنیا الملوك كما

استغنی الملوك بدنیاهم عن الدّین

(دنیا کے بادشاہوں سے اللہ کے ذریعہ استغنا حاصل کر جس طرح کہ بادشاہوں نے اپنی دنیا کی خاطر دین سے بے پروائی اختیار کی۔)

---

[1] یعنی ایسے شخص سے سوال نہ کرے جو آسانی سے اس کے سوال کو رد کر دے کہ آبروریزی بھی ہوئی اور مقصد سوال بھی پورا نہ ہوا۔

واسترزق الله بما فی خزائنہ

فانّ ذلك بین الکاف والنون

(اللہ کے پاس اس کے خزانوں سے روزی طلب کر کیونکہ وہ کاف اور نون کے درمیان ہے یعنی لفظ 'کن' سے پوری ہو سکتی ہے)۔

جو کچھ اس کو سوال سے ملے، اس کو اپنے پاس نہ رکھے بلکہ اپنے اہل وعیال کو دے دے تاکہ اس کا دل ان کے فکر سے فارغ ہو جائے اور اس کو اسراف سے نہ خرچ کرے اور سوال کو اپنی عادت نہ بنائے اور نہ (مقدار) معین کر کے مانگے۔

منجملۂ رخصت اللہ پر بھروسا کر کے قرض لینا ہے اور اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ یہ قرض اپنے بھائیوں کی ضرورت اور ان کے اخراجات کے لئے ہو اور اس کو بروقت ادا کرنے کا خیال رکھے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا: "جو شخص قرض لے اور اس کی نیت ادا کرنے کی ہو اور وہ مر جائے اور اس کے پاس ادائی کے لئے کوئی جائداد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قرض خواہوں کا چکتا کرے گا"

منجملہ رخصتوں کے سفر میں توشہ رکھنا ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ اگر سفر میں ساتھی ہو اور اس کو اس کی ضرورت ہو تو اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں منادی کرائی کہ "جس کے پاس فاضل توشہ ہو تو وہ اس کو جس کے پاس توشہ نہ ہو دے دے۔ جس کے پاس فاضل سواری ہو تو وہ اس کو جس کے پاس سواری نہ ہو دے دے" اس طرح کئی اقسام کی چیزوں کا اس قدر ذکر فرمایا کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ جو کچھ ہمارے ہاتھ میں زاید از ضرورت ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔

منجملہ اس کے دوسرے کی جانب سے اجرت لے کر حج کرنا ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے ایسا نہ کرے اور اسی سے اپنے آنے جانے کا خرچہ ادا کرے۔ لیکن نہ کسی سے سوال کرے اور نہ اوقاف سے کچھ لے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی مرے ہوئے شخص کی جانب سے حج کیا تو مرے ہوئے شخص کو حج کا ثواب ملے گا اور حج کرنے والے کو دوزخ سے برأت ملے گی۔"

منجملہ اس کے سفر کرنا ہے شہروں میں پھرنے کے لئے اور اس کا ادب یہ ہے کہ ایسے سفر سے اس کا مقصد اپنے کسی بھائی کی زیارت یا کسی حق کا ادا کرنا ہو یا طلب علم ہو اور وہ سفر سے اپنے مقصد کو پورا کرے۔

منجملہ اس کے سماع میں اٹھ کھڑے ہونا اور حرکت کرنا ہے۔ اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ اگر وقت محدود ہو تو وہ مداخلت اور مزاحمت کو ترک کرے ورنہ بر سبیل مساعدت ونشاطِ خاطر و خوش وقتی بغیر سکون و اظہارِ حال کے جائز ہے۔

منجملہ اس کے مزاح ہے اور اس کے آداب یہ ہیں کہ اس میں جھوٹ، غیبت اور منہ چڑانا، مسخرہ پن اور دوسرے کو بنانا نہ ہو اور نہ مروت کے خلاف کوئی حرکت ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سچے مذاق کرنے والے کے بارے میں مواخذہ نہیں کرے گا۔"

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے اگر کوئی مغموم ہوتا تو اس سے دل لگی کی بات کر کے اس کو خوش کر دیتے تھے۔

زیادہ مذاق خاص کر دبدبہ والے اشخاص کے لئے مکروہ ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ تم شریف آدمی سے مذاق نہ کرو ورنہ وہ اپنے دل میں کینہ پکڑے گا اور کمینہ سے اس لئے نہ کرو کہ وُہ تم پر جری ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ اپنے اصحاب کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھتے تھے۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ وُہ مذاق کر رہے ہوں اور آپ کے متوجہ ہونے سے وہ پریشان ہو جائیں۔

آپ کے ایک صحابی کی آنکھ میں آشوب آ گیا تھا اور وُہ کھجور کھا رہے تھے۔ آپ نے

فرمایا: "تم کھجور کھا رہے ہو اور تمھاری آنکھ میں آشوب ہے۔" انھوں نے کہا کہ "میں اس جانب سے کھا رہا ہوں جس طرف آشوب نہیں ہے۔" تو آپ ہنس پڑے۔

منجملہ ان کے ایسے علوم کا اظہار ہے جن کے استعمال کے متعلق کوئی روایت نہ پہنچی ہو اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ وہ اس میں فائدہ پہنچانے اور نصیحت و ارشاد کو پیش نظر رکھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شخص کو اللہ سرسبز رکھے جس نے میری بات کو سنا اور یاد رکھا، پھر اس کو دوسروں تک اسی طرح پہنچایا جیسا کہ سنا تھا کیونکہ بہت سے فقہ (سمجھ) کی بات سنتے ہیں لیکن وہ فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے لوگ فقہ کی بات کو اس شخص تک پہنچانے والے ہوتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

منجملہ اس کے پیوند لگے ہوئے کپڑے معمولاً پہننا ہے اور ان میں ان کے آداب یہ ہیں کہ شہرت سے دُور رہے اور اپنے اوقات کے اکثر حصہ کو ان میں مشغول ہو کر ضائع نہ کرے اور ان کو لپیٹ کر رکھنے اور جمانے میں حد سے تجاوز نہ کرے کیونکہ یہ بغیر کسی دینی اور دنیوی فائدہ کے وقت خراب کرنا ہے۔

مشایخ کرام اگر کسی فقیر کو اپنے پیوند لگے ہوئے کپڑے اور لباس کی تزئین میں تجاوز کرتا ہوا پاتے تھے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جب انہوں نے باطن کو سدھارنا اور فائدہ پہنچانا چھوڑ دیا تو ظاہر کی تزئین و آرائش کی جانب مشغول ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس آنے والے لوگوں میں سے بعض کو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا: "کیا تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے؟" انہوں نے کہا کہ "ہے" تو ارشاد فرمایا: لباس بناؤ اور اس میں توسط کو اختیار کرو۔

معانقہ کے آداب

منجملہ اس کے ملاقات کے وقت گلے لگانا ہے اور ایک دوسرے کو بوسہ دینا ہے اور اس میں ان کے آداب یہ ہیں کہ یہ چیز ان کے ساتھ ہونی چاہیے جو ان کے ہمسر اور ہم جنس ہوں اور جن سے ان کو نسبت ہو۔

حضرت ہیثم[1] بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے مجھ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بعض راستوں میں ملے اور معانقہ فرمایا اور مجھ کو بوسہ دیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معانقہ کی اصلیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "وہ محبت کو ثابت کرتا ہے"۔

منجملہ اس کے حُبِّ ریاست ہے اور اس بارے میں ان کے آداب یہ ہیں کہ انسان اپنی ریاست کو پہچانے اور اس کے حدود کی حفاظت کرے اور اپنی لیاقت سے زیادہ کی تمنا نہ کرے اور اپنے مرتبہ سے نیچے نہ اُترے۔

کیونکہ کہا گیا ہے کہ عقلمند کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی لیاقت سے زیادہ اونچا نہ کرے اور نہ اپنے درجہ کو گرا دے۔

نیز کہا گیا ہے کہ کسی جاہل کا اونچا ہونا وہی قدر و قیمت رکھتا ہے جیسا کہ کسی دار پر چڑھائے ہوئے شخص کا اونچا ہونا۔

کہا گیا ہے کہ جاہل کے لئے گمنامی شہرت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ گم نامی سے اس کے معائب پوشیدہ رہیں گے اور شہرت سے ان کا افشا ہوگا اور ایسی چیز نہ طلب کرے جو اس کو نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اس سے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔

کہا گیا ہے کہ جو اپنی قدر و منزلت پر اکتفا کرے تو وہ اپنے چہرہ کی خوب[2] صورتی کو باقی رکھے گا۔

بعض مشایخ نے کہا ہے کہ اخیر آفت جو صدیقوں کے دل سے نکلے گی وہ لیاقت کی

---

[1] ان کا نام مالک ہے۔ یہ جاہلیت کے زمانہ میں ہی بتوں کی پرستش ناپسند کرتے تھے۔ انصار میں جن لوگوں نے آں حضرتؐ سے مکہ میں ملاقات کی ان میں سب سے پہلے اسلام لائے ان ستر آدمیوں میں سے ایک تھے جو بیعت عقبہ میں شریک رہے، بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ آں حضرتؐ کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

[2] یعنی آبرو کو باقی رکھا اور ذلیل نہیں ہوا۔

محبت ہے۔

منجملہ اس کے سلاطین کے پاس تقرب اور ان کے پاس آمد و رفت رکھنا ہے اور اس کا ادب یہ ہے نہ وہ تعریف کرنے والوں کی تعریف پر مطمئن ہو جائے نہ ان کی باتوں پر دھوکا کھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو ایسی بات پر اپنی تعریف چاہتے ہیں جس کو انہوں نے نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا:

یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنهم بمفازة من العذاب۔

وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ایسی بات پر کی جائے جس کو انہوں نے نہیں کیا پس تم ان کو عذاب سے بچنے والا نہ خیال کرو۔

اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی نہ کئے ہوئے کام کی تعریف کا خواہاں ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگا بجز اس کے کہ اس کو ڈرایا گیا ہے اور وہ اس موقع پر کہے:

اللهم اجعلني خيرا مما يظنون واغفرلي مما لا يعلمون ولا تواخذني بما يقولون۔

اے اللہ مجھ کو تو اس سے اچھا بنا جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں اور مجھ کو معاف کر اس سے جس کو وہ نہیں جانتے اور مجھ سے مواخذہ نہ کر اس کی بابت جو وہ کہتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تعریف کرنیوالے سے اپنی تعریف سُن کر ارشاد فرمایا "میں اس سے کم ہوں جو تم نے ظاہر کیا اور اس سے زیادہ ہوں جس کو تم نے اپنے دل میں چھپا رکھا ہے"۔

اور منجملہ اس کے کمینوں کو ان کے اسلاف کے بابت عار دلانا ہے جب کہ وہ ان پر فخر کریں[ل] اور اس میں ادب یہ ہے کہ ان کی بے ادبی کے مقابلہ میں یہ بات ہونی چاہئے

[ل] مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بیجا فخر کرے مگر اور بے ادبی کا اظہار کرے تو اشارۃً وکنایۃً اصل حقیقت سے اس کو مطلع کرنا چاہئے۔

اور تعریفاً ہو نہ تصریحاً۔

روایت ہے کہ یہود کی ایک جماعت، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور (اپنی باتوں سے) آپ کو اذیت دینے اور آپ کے دین کی منقصت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

"قل ھل انبئکم بشر من ذالک مثوبۃ عند اللہ من لعنہ اللہ" الآیۃ

پھر آپ نے ان کو یا اخوان القردۃ (بندروں کے بھائی) کہا۔

منجملہ اس کے طاعات و عبادات کا اظہار ہے اور اس کا ادب یہ ہے کہ اس کا اظہار اس لئے ہو کہ مرید اس سے تربیت حاصل کرے اور مبتدی اس کی پیروی کرے اور اس میں وہ مخلوق کے قبول و رد پر التفات نہ کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کو پکار کر پڑھنا چاہئے یا آہستہ۔ تو آپ نے فرمایا: "ان تبدوا الصدقات فنعما ھی"[1] (الآیۃ) میں کہتا ہوں کہ یہ فضائل[2] اور نوافل کے بارے میں ہے۔ لیکن فرائض کے متعلق اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ان کا اظہار ہونا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن کو پکار کر پڑھنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ بتا کر صدقہ دینے والا اور قرآن کو آہستہ پڑھنے والا چھپا کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے۔"

منجملہ اس کے سیر و تفریح کے لیے باہر نکلنا ہے اس کا ادب یہ ہے کہ وہ کسی غار یا وادی یا موضع میں خلوت کی جگہ اختیار کرے جو اقسام کی بری باتوں سے خالی ہو تا کہ وہاں رہنے سے وہ چیزیں پیدا نہ ہوں جن کے ازالہ کی اس کو طاقت نہ ہو اگر وہ ایسی بری جگہوں میں اقامت اختیار کرے تو ان لوگوں سے جو برائیوں میں مبتلا ہیں مشابہ ہو جائے گا۔

---

[1] اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو اچھا ہی ہے۔

[2] فضیلۃ کی جمع فضائل مراد اس سے جو فرائض سے فاضل یعنی زاید ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبزہ اور آبِ رواں کو دیکھنا پسند فرماتے تھے۔
منجملہ اس کے لہو ولعب کو دیکھنا ہے اور ان میں اس کا ادب یہ ہے کہ حرام اور ممنوع چیزوں سے اجتناب کرے جس چیز کا کرنا حرام ہے اس کو دیکھنا بھی حرام ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "حبشی کھیل رہے تھے اور میں انہیں اپنے حجرہ کے دروازے سے دیکھ رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اپنی چادر سے چھپا رہے تھے۔ حبشی وہاں سے واپس نہیں ہوئے یہاں تک کہ میں خود واپس ہوگئی۔
منجملہ اس کے ایسی مجلس میں آنا جہاں دل بہلائی کی باتوں میں لوگ مصروف ہوں اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ وہ غیبت اور بری باتوں کو سننے سے اجتناب کرتے ہیں
جابر[1] بن سمرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی سو مرتبہ بیٹھا ہوں گا۔ آپ کے اصحاب اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے حالات بیان کرتے اور آپ خاموش بیٹھے رہتے۔ اور کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسّم فرماتے۔
منجملہ اس کے اچھے کھانوں کا کھانا ہے اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ اس کی عادت نہ ڈالی جائے بلکہ یہ فاقہ رکھنے کے بعد ہو یا اس کے بعد ریاضت کی جائے تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔
علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثرید[2] پسند تھا۔ نیز روایت ہے کہ آپ خوشبو اور میٹھے کو پسند فرماتے تھے اور اس کو ردّ نہ فرماتے بلکہ کچھ نہ کچھ لے لیتے تھے۔

---

[1] جابر بن سمرہؓ صحابی ہیں۔ آں حضرت سے اور اکابر صحابہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ کوفہ میں بود وباش اختیار کی تھی۔ عبدالملک بن مروان کی خلافت کے زمانہ میں ۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔
[2] ثرید ایک غذا ہے جو روٹی کو شوربے میں چور کر پکائی جاتی ہے۔ غالباً آج کل کی حلیم یا سیتھریوں کی طرح ہوگی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر تم میں سے کسی کے پاس خوشبو پیش کی جائے تو اس کو رد نہ کرے بلکہ اس میں کچھ لے کر لگائے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھاؤ کہ وہ خوشگوار اور ذائقہ دار ہوتا ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا: "اہل جنت اور اہل دنیا کا بہترین کھانا گوشت ہے۔"

منجملہ اس کے کھانے کے لئے کپڑوں کا رہن کرنا ہے اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ وہ بوقت ضرورت ہو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ چند سیر جَو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن کی تھی۔

منجملہ اس کے ذلت اور جور و جفا اور اذیت سے بھاگنا اور اس میں ادب یہ ہے کہ اپنے سینے[1] کی سلامتی اور دشمنی سے بچاؤ مقصود ہو۔

بعض مشایخ نے کہا ہے کہ جس چیز کی طاقت (برداشت) نہ ہو اس سے بھاگنا پیغمبروں کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی زبانی بیان فرمایا: ففررت منکم لما خفتکم (تم سے جب مجھ کو خوف معلوم ہوا تو میں بھاگ نکلا)

امام[2] شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اپنے نفس پر سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو ایسے شخص کی تواضع کرے جو اس کی عزت نہ کرتا ہو اور ایسے شخص کی محبت کی رغبت کرے جو اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچاتا اور ایسے شخص کی تعریف کو قبول کرے جو اس کو نہیں جانتا۔

---

[1] سینہ کی سلامتی سے غالباً یہ مراد ہے کہ جو شخص اذیت دے اس سے برائی اور کینہ پیدا نہ ہو اور بشریت دل کو اس کی دشمنی پر مائل نہ کرے۔

[2] محمد بن ادریس آپ کا نام ہے۔ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ اکابر تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ فقہ شافعی کے بانی اور امام ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وُہ اپنے نفس کو ذلیل کرے "

منجملہ اس کے اپنے دوستوں کے گھر کشادہ پیشانی کے ساتھ جانے اور بغیر ان کی استدعا کے ان کی طرف توجہ کرے اور اس میں ادب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ خصوصیت رکھے جو اس سے خوش ہوتے ہوں اور اس مقام کو پہچانے جہاں اس کو تعظیم و اکرام کرنی چاہیئے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ہیثم بن التیہان رض کے گھر تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے کھجور اور دودھ سے تواضع کی سب نے کھایا پیا اور حضورؐ نے کہا کہ یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کی نسبت تم سے پوچھا جائے گا[1]

منجملہ اس کے اپنے بھائیوں پر عتاب کرنا ہے اور اس میں ادب یہ ہے کہ کہ اس سے مقصود اس چیز کو دُور کرنا ہو جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہو نہ کہ عیب جوئی بلکہ دل کو کینہ کپٹ سے پاک کرنا اور اگر دوست عذر پیش کرے تو اس کو قبول کر لینا چاہیئے۔ کہا گیا ہے : ؎

اقبل معاذیر من یاتیك معتذرا
ان بر عندك فیما قال اوفجرا

(جو شخص تیرے پاس معذرت پیش کرے اس کے عذروں کو قبول کر، خواہ وہ ان میں سچا ہو یا جھوٹا)

فقد اطاعك من ارضاك ظاهره
وقد اجلك من یعصیك مستترا

---

[1] اصل نسخہ میں لا تسئلون ہے لیکن تسئل عنہا ہونا چاہیئے چنانچہ موطا کی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے۔ غالباً سہو کتابت سے لفظ " لا " لکھا گیا ہے۔ آپ نے اس کے بعد یہ آیت پڑھی: "ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم"۔ (پھر تم سے پوچھا جائے گا اس دن اس نعمت کے بارے میں)

(کیونکہ اس شخص نے تیری اطاعت کی جس کے ظاہر نے تجھ کو رضا مند کیا اور اس شخص نے جس نے چھپ کر تیری نافرمانی کی تجھ کو بڑا اور قابل تعظیم سمجھا)
کہا گیا ہے کہ برملا عتاب کرنا اس سے بہتر ہے کہ دل میں کینہ رکھا جائے۔
قنبر[1] مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے میں اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ[2] کے پاس آئے جب کہ وہ خلیفہ تھے۔ انہوں نے خلوت (تنہائی) چاہی۔ حضرت علیؓ نے مجھ کو اشارہ کیا تو میں ایک کونے میں ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے شکایت کرنے لگے اور حضرت علیؓ سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اگر میں کچھ کہوں تو تم کو بُرا لگے گا اور میں تم کو ناخوش کرنا نہیں چاہتا۔
حکایت ہے کہ یحییٰ[3] بن خالد نے عبدالملک بن صالح پر کسی امر کے متعلق جو ان کے درمیان پیش آیا تھا عتاب کیا اور باتوں باتوں میں کہا کہ تم بہت کینہ ور ہو۔ اُن کے جواب میں عبدالملک نے کہا کہ اگر کینہ تمہارے پاس یہ ہے کہ برائی یا بھلائی دل میں باقی رہے تو بے شک وہ میرے دل میں ہے۔ جب وہ دونوں آپس میں راضی ہو گئے اور عبدالملک اٹھ کھڑے ہوئے تو یحییٰ نے کہا کہ یہ شخص قریشی ہے اور میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے کینہ کو اپنی گفتگو سے اس سے اچھی صورت میں ظاہر کیا ہو حتیٰ کہ اس نے

---

[1] قنبر، حضرت علیؓ کے آزاد کردہ غلام کا نام ہے۔
[2] امیرالمومنین خلیفہ سوم آں حضرتؐ کے داماد، آں حضرتؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں دی گئیں۔ اس لئے ذوالنورین کہلائے۔ امت کو آپ نے ایک مصحف کی تلاوت پر جمع کیا۔ آپ کے زمانہ میں خراسان اور مغربی ممالک فتح ہوئے۔ آپ ۳۵ھ میں ۸۲ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔
[3] جعفر برمکی کے والد جو ہارون الرشید کے زمانہ میں قید میں ڈال دیئے گئے تھے اور قید ہی میں ان کا انتقال ہوا۔

دوسرے کے بُرے پیرائے کو دور کر دیا۔[1]

منجملہ اس کے مذموم کی تعریف اور ممدوح کی مذمت اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ دونوں جانب (مذموم و ممدوح) حق بات کے حدود کی حفاظت کی جائے اور ان میں اپنے نفس کی پیروی نہ کی جائے اور خواہشات کے مطابق گفتگو نہ کی جائے۔

روایت ہے کہ عرب کے سرداروں میں سے دو شخص مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی کی تعریف کی اور ان میں مبالغہ سے کام لیا۔ دوسرے نے اس کی تعریف میں مبالغہ نہیں کیا جس کو اس شخص نے محسوس کر کے اس کے معائب گنانے شروع کیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار ہوا اس پر اس نے کہا بخدا اے رسول اللہ! اگر میں پہلی بات میں سچا ہوں تو دوسری بات میں میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے اور انسان عمدہ صفات اور بُرے صفات سے خالی نہیں ہوتا اور جو شخص راضی ہو وہ معائب کو نہیں دیکھتا اور جو ناراض ہو وہ اچھی صفتوں پر نظر نہیں ڈالتا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے بیان میں جادو ہوتا ہے۔

منجملہ اس کے جو اس کا مستحق ہو اس سے دوری اختیار کرنا اور ان میں اس کا ادب یہ ہے کہ حق کا اظہار مقصود ہو اور باطل کو میٹ دینا پیشِ نظر رہے اور دشمنی محض اللہ کے لیے ہو۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں سے دوری اختیار کی تھی کہ انہوں نے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی اور ان کے لوگوں کو ان سے دوری اختیار کرنے کے لیے ارشاد کیا اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کر لے سے منع فرما دیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وعلى الثلثة الذين خلفوا حتّٰى — اور ان تینوں پر جو پیچھے رہ گئے تھے

---

[1] مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شخص نے کینہ کو جس بُرے پیرایہ میں ظاہر کیا تھا اس کو اس نے بالکل بدل کر اچھی شکل میں ظاہر کیا۔

اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم۔ (الآیۃ)

(کوئی مواخذہ نہیں ہے) یہاں تک کہ ان پر زمین تنگ ہوئی باوجودیکہ وہ کشادہ ہے اور وہ جان سے بیزار ہو گئے تھے۔

اور منجملہ اس کے پیوند زدہ کپڑے پہننے والوں کے کپڑوں کو پھاڑنا ہے اور اس میں ادب یہ ہے کہ ان لوگوں کی نمایش اور خیانت اور مکروفریب کو دُور کرنا مقصود ہو۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اتتخذون ایمانکم دخلا بینکم۔

کیا تم اپنی قسموں سے مکروفریب دینا چاہتے ہو۔

اور منجملہ اس کے جھوٹی باتوں کو ایسے اشخاص سے دُور کرنا ہے جو اپنے آپ کو شریف النسب اور اولادِ علویہ سے ظاہر کریں پس واجب ہے کہ اس پر اعتراض کیا جائے اور ادعائے نسب اور اس کے فساد دعویٰ کا اظہار کیا جائے تاکہ جو لوگ اس کو نہ جانتے ہوں وہ دھوکا نہ کھائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو جسے ضرر پہنچانے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے بنایا گیا تھا منہدم کرنے اور جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا جب کہ بنانے کی نسبت ان کے قصد اور ارادے کا علم ہو گیا حالانکہ بظاہر وہ مسجد ہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا تقم فیہ ابداً لمسجد اسس علی التقویٰ من اوّل یوم احق ان تقوم فیہ۔ (الآیۃ)

آپ اس میں ہرگز نہ کھڑے ہوں البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی روز پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے رہیں۔

نیز آپ نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو قطع کرنے کے لئے حکم دیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

ما قطعتم من لينة اوتركتموها قائمة على اصولها فباذن الله وليخزى الفاسقين۔	جن درختوں کو تم نے کاٹا یا ان کو ان کی جڑوں پر باقی رکھا تو اللہ کے حکم سے ہے اور اس لیے کہ بدکاروں کو رسوا کیا جائے۔

منجملہ اس کے مصلحت کے وقت جھوٹ بولنے کی اجازت اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ اصلاح اور اظہارِ حق مطلوب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصّہ میں فرمایا ہے:

بل فعله كبيرهم هـذا۔	بلکہ اس کو ان کے بڑے نے کیا ہے۔

اور داؤد علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے:

انّ هذا اخي له تسع وتسعون نعجة ولى نعجة واحدة۔	یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ۹۹ دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبی ہے۔

حکایت ہے کہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک مرجی[1] کے ساتھ ابو جعفر المنصور کے پاس مناظرہ کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرجی کو لایا گیا تو آپ نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ مرجی نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مذہب ارجاء کہاں تھا؟ حضرت جعفر نے کہا کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں یہ مذہب نہیں تھا تو تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ مرجی نے کہا یہ حدیث جھوٹی ہے۔ اور تم نے رسول اللہ پر کیوں جھوٹ کا بہتان باندھا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے جو مجھ سے جھوٹ بات منسوب کرے تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا پڑے گا۔ اس پر حضرت جعفر نے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور داؤد

---

[1] مرجی وہ جو مذہب ارجاء کا پیرو ہو۔ مذہب ارجاء یہ ہے کہ انسان جو چاہے کرے اللہ اس کو بخش دے گا۔

علیہ السلام کے قصوں سے حجت پیش کی جس سے مرجی کو خاموش ہو جانا پڑا[1]

منجملہ اس کے بوڑھی عورتوں سے ملنا اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ ان کی زیارت سے اللہ کا تقرب مقصود ہو اور یہ طلب برکت و دعا کے لئے ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے (اپنے ساتھیوں سے) کہا: "چلو اُمّ ایمنؓ[2] کی زیارت کریں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔"

منجملہ اس کے ابنائے دنیا اور رؤسا اور سلاطین کے ساتھ تکلف برتنا اور اُن کے لئے اُٹھ کھڑے ہونا اور ان کی طرف متوجہ ہونا اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ دنیا طلبی کے لئے نہ ہو اور نہ ان کی دولت مطمح نظر ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے سردار آتے تھے آپ ان کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے اور ان کو اچھی جگہ بٹھاتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ جب کسی قوم کا معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزّت کرو۔

منجملہ اس کے مصیبت کے وقت رونا ہے اور اس بارے میں ان کا ادب یہ ہے کہ پکار کر آواز سے نہ رویا جائے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لڑکے ابراہیم کی موت پر گریہ فرمایا اور "کہا آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے۔ لیکن ہم زبان سے

---

[1] لیکن یہ روایت غور طلب ہے اس کی تشریح غور طلب ہے۔ اس کی تشریح خواجہ صاحب نے یہ کی ہے۔ امام جعفر صادق نے مشروط طور پر کہا تھا کہ اگر مرجی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تو آپ اس کے قتل کا حکم دیتے نہ کہ واقعۃً ایسا فرمایا۔

[2] ام ایمن: آں حضرت کی کھلائی ان کا نام برکتہ تھا جو آپ کے والد کی لونڈی تھیں جن کو آپ نے آزاد کر دیا تھا اور ان کا نکاح عبید بن زید سے کر دیا تھا جن سے ایک لڑکی ایمن نام پیدا ہوئی۔ پھر زید بن حارثہ سے ان کا نکاح ہوا جن سے اسامہ پیدا ہوئے۔ اُحد اور خندق میں حاضر تھیں اور زخمیوں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں وفات پائی۔

"کوئی ایسی بات نہیں نکالتے جس سے پروردگار ناخوش ہو اور میں اے ابراہیم! تمہارے لئے غمگین ہوں"۔

اور منجملہ اس کے کم عمر لڑکوں کی صحبت اور لباس میں اس کا ادب وہ ہے جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے (دیکھو باب آدابِ صحبت)۔

اور منجملہ اس کے خوشی کا اظہار ہے۔ اگرچہ دل کراہت کرتا ہو اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ اس میں اس کے شر سے سلامتی چاہنا مطلوب ہو نہ ریاء اور نفاق۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت میں آپ کے پاس تھی آپ نے فرمایا: کیا بُرا ساتھی ہے۔ پھر آپ نے اس کو اجازت دی۔ جب وہ آیا تو آپ نے اس سے نرمی سے بات کی، مجھ کو تعجب ہُوا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اُس کی وجہ پُوچھی تو فرمایا "اے عائشہ! وہ بدترین شخص ہے۔ اس کے شر سے بچنے کے لئے لوگ تعظیم کرتے ہیں"۔

شافعی علیہ الرحمۃ کے اشعار ہیں ؎

لما عفوت ولم احقد علی احد

ارحت نفسی من هم المعادات

(میرا معاف کرنا اور کسی سے کینہ نہ رکھنا درحقیقت اپنے آپ کو عداوت کے غم سے آزاد رکھنا ہے)

انی احیی عدوی عند رویتیه

لادفع الشر عنی بالتحیات

(میں اپنے دشمن کو دیکھ کر اس کی آؤ بھگت کرتا ہوں تاکہ اس آؤ بھگت سے اس کے شر کو دُور کروں)

واظهر البشر للانسان ابغضه

کانه قد احشی قلبی[1] بالمسرات

---

[1] یہ مصرع غلط ہے غالباً ایسا ہو سکتا ہے: "کان قلبی احشی بالمسرّات"۔

(میں ایسے انسان سے خوشی کا اظہار کرتا ہوں جس سے میرا دل صاف نہیں ہے
اس طرح کہ گویا میرا دل مسرتوں سے پُر ہو گیا ہے)

و لست اسلم ممن لست اعرفہ
فکیف اسلم من اھل المودات

(میں ایسے شخص سے بچ نہیں سکتا جس کو میں نہیں جانتا۔ پھر میں اس
شخص سے کیسے بچ سکتا ہوں جو میرا دوست ہے)

الناس داء دواء الناس ترکھم
و فی الجفاء لھم قطع الاخوات

(لوگ ایک بیماری ہیں اور اس کی دوا یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور
چھوڑنے میں قطع اخوت ہے)

منجملہ اس کے اوباشوں سے ان کی حیثیت اور مقدار عقل کی بموجب میل جول
رکھا جائے اور اس میں ادب یہ ہے کہ ان کی شرارتوں سے سلامتی مطلوب ہو۔

تعد والذئاب من لا کلاب لہ
و تتقی مربض المستأسد الحامی

(بھیڑیئے اس شخص پر حملہ کرتے ہیں جس کے پاس کتے نہ ہوں اور ایسے
شخص کے بارے میں جانے سے ڈرتے ہیں جو کتوں کو ان پر چھوڑنے
اور اپنی حفاظت کرنے والا ہو)

اور منجملہ اس کے اس شخص کا ذکر جس میں کوئی عیب ہو جس سے اس کو کراہت ہو
اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ لوگوں کے عیوب جو مشہور ہیں ذکر کرے تاکہ چھپے ہوئے
عیوب کی پردہ دری نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس موجود تھیں کہ عتیبہ بن حصین بغیر اذن کے آیا آپ نے پوچھا کہ استئیذان[1]

[1] اجازت گھر میں داخل ہونے کی۔

کہاں گیا۔ اس نے کہا جب سے مجھ کو ہوش آئے ہیں۔ قبیلہ مضر کے کسی شخص سے ملنے کے لئے اجازت نہیں لی۔ جب وہ واپس ہوا تو میں نے پوچھا یہ کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا: احمق ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔

ایک عورت نے اپنے نکاح کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص بخیل ہے اور دوسرا لٹھ لیے پھرتا ہے (یعنی کج خلق ہے)

نیز آپ نے فرمایا: صفوان[1] کی زبان بُری ہے لیکن دل اچھا ہے۔

منجملہ اس کے شعراء اور ان جیسے اشخاص سے مواسات و موافقت کی جائے اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ ان سے اپنی آبرو کا بچاؤ اور دین کی سلامتی مقصود ہو اور ان کے سوال کو پورا کیا جائے اور جو وہ چاہتے ہیں کچھ نہ کچھ ان کو دیا جائے تاکہ افتراء و بہتان کے مرتکب نہ ہوں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انسان جس چیز سے اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ ہے"

روایت ہے کہ بعض شعراء آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے اشعار سنائے جن میں (غزوہ حنین کے) مال غنیمت کا ذکر تھا جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

انفسھم نھبی و نھب العبید
بین عینیۃ و الافرع

(کیا تم میری لوٹ اور غلاموں کی لوٹ کو عینیہ اور اقرع کے درمیان تقسیم کرتے ہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی زبان کو مجھ سے قطع کرو (مراد یہ ہے کہ میری مذمت اس کی زبان سے نہ کہلواؤ) جس پر اس کو پانچ اونٹ دیئے گئے۔

---

[1] صفوان:۔ اس نام کے کئی صحابی اور تابعی گذرے ہیں۔ نہ معلوم مصنف کی مراد کن صفوان سے ہے ممکن ہے صفوان بن امیہ سے ہو جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اور ان کی اولاد بہت سی حدیثوں کی روایت کرتے ہیں۔ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

روایت ہے کہ کعب بن زہیر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی تھی جس پر اس کے خون کو ہدر کر دیا گیا تھا، پھر وہ مسلمان ہو کر آئے اور اپنے مشہور قصیدہ سے آپ کی تعریف کی جس کے یہ شعر ہیں ؎

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

متیم اثرها لم یفد مکبول

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی

والعفو عند رسول اللہ مامول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی چادر اوڑھا دی جس کو حضرت[1] معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے خرید لی تھی جس کو آج تک خلفاء پہنتے ہیں۔

منجملہ اس کے جو چیز نچھاور کی جائے اس کا لوٹنا اور اس میں ادب یہ ہے کہ لالچ سے دور اور اپنے دوست کو خوش کرنا مقصود ہو۔

معاذ[2] بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک انصاری کی تقریب نکاح میں شریک ہوا اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے تھے اور نکاح کے بعد آپ نے ان کو دعا دی کہ "الفت اور بھلائی سے بسر کرو اور یہ تقریب تمہارے لئے نیک فال ہو" اس کے بعد فرمایا "اپنے ساتھی پر کچھ نچھاور کرو" حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک طبق لے آئے جس میں میوہ اور شرینی تھی اور وہ نچھاور کرنے لگے جتنے لوگ موجود تھے وہ خاموش رہے

---

[1] معاویہ بن ابی سفیان، صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے۔ شام کے گورنر رہے۔ بعد میں خلیفہ ہو گئے۔ ۷۸ سال کی عمر میں ۶۰ھ میں وفات پائی۔

[2] معاذ بن جبل بڑے پایہ کے صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ صحابہ میں بڑے عالم اور فقیہ مانے جاتے ہیں۔ آں حضرتؐ ان کو بہت چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری امت میں حلال و حرام کو سب سے زیادہ جاننے والا معاذ ہے۔ آں حضرتؐ نے ان کو یمن کا عامل مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اردن میں طاعون سے ۱۸ھ میں فوت ہوئے جبکہ ان کی عمر صرف ۳۵ سال کی تھی۔ (مراۃ الحصاط جلد ا صفحہ ۲۱)

اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا لوٹنا اس موقع پر منافی حکم نہ تھا" لوگوں نے کہا کہ "فلاں دن آپ نے ہم کو لوٹنے سے منع فرمایا تھا" تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے تم کو غنیمت کے لوٹنے سے منع کیا تھا نہ کہ شادی کے موقع پر لوٹنے سے۔" پھر فرمایا: "آؤ ہم سب مل کر لوٹیں۔" معاذ کہتے ہیں کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ہمارے پاس سے جھپٹ رہے تھے اور ہم آپ کے پاس سے۔"[1]

اور منجملہ اس کے افتخار اور اظہار دعوئی ہے اور اس میں ان کا ادب یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واما بنعمة ربك فحدث۔ لیکن اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو

اور یہ بھی غلبۂ حال کے وقت یا کسی حریف کی مفاخرت کے مقابلہ میں ہونی چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبۂ حال کے وقت فرمایا: "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں ہے۔" آدم اور ان سے کمتر (نبی) میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔" "اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو سوائے میری پیروی کے چارہ نہ ہوتا۔" اور جب آپ اپنے نفس کی جانب رجوع فرماتے تو کہتے: "میں ایک عورت کا لڑکا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ میں ایک بندہ ہوں۔ میں اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح کہ ایک بندہ کھاتا ہے۔ تم مطمئن رہو۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں بندہ ہوں۔"

لیکن حریف کے مقابلہ میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی تمیم کا وفد اپنے شاعر اور خطیب کے ساتھ تفاخر کے لیے آیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت[2] بن قیس کو بلایا جو آپ کے خطیب تھے۔ انہوں نے اس کا جواب دیا

---

[1] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں نکاح کے بعد مصری بادام لٹانے کا جو طریقہ ہے وہ اسی بنا پر ہے لیکن آج کل لڑکے اس میں بہت بدتمیزی کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر گرتے ہیں جس میں بعض وقت چھوٹے بچوں کو چوٹیں آجاتی ہیں ایسا نہ ہونا چاہئے۔

[2] ثابت بن قیس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ تمام مشاہد میں آپ کے ساتھ شریک رہے۔ آں حضرت نے ان کی عیادت بھی فرمائی۔ یمامہ کی لڑائی میں ۱۲ھ میں بزمانہ خلافت حضرت ابوبکرؓ فوت ہوئے۔

اور اُن پر غلبہ حاصل کیا اور حسان بن ثابتؓ کو بلایا جو آپ کے شاعر تھے۔ انہوں نے بھی جواب دیا اور اپنے قصیدہ میں کہا:

نبی دارم لا تفخروا ان فخرکم　　　یعود وبالاً عند ذکر المکارم

(اے نبی دارم فخر مت کرو کیونکہ تمہارا فخر تم پر وبال ہوجائیگا جب کہ مکارم کا ذکر آئے گا)

أ انتم علینا تفخرون وانتم　　　لنا خول من بین وخادم

(کیا تم ہم پر فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے خادم منجملہ اور خادموں کے ہو)

آنحضرتؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ" اے دارم کے بھائیو! میں اس موقع پر اس چیز کو بیان کرنا نہیں چاہتا جس کو میں سمجھتا ہوں کہ لوگوں نے بھلا دیا ہو" کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا ان لوگوں پر حسان کے شعر سے بھی زیادہ سخت تھا۔ وہ سب مغلوب و مقہور اٹھے پھر اسلام لائے آپ نے ان کے ساتھ احسان کیا اور ان کو کپڑے پہنائے۔

منجملہ اس کے غصہ ہونا اور منفجر ہونا ہے ایسے موقع پر کہ ان باتوں کی قولاً و عقلاً برداشت نہ کی جاسکتی ہو اور اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ فحش گوئی اور بدتہذیبی سے اجتناب کرے اور حق کے حدود کا لحاظ رکھے اور ظلم تک تجاوز نہ کرے کیونکہ غصہ اگر غالب ہو جائے تو وہ عقل کو مغلوب کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من　　　اللہ کسی کی بری بات کا اظہار پسند نہیں کرتا

القول الا من ظلم۔　　　مگر اس شخص سے جس پر ظلم ہوا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جس نے مومن کو برائی کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا تو اسی پر اس کا گناہ ہے"

حضرت شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:" جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور وہ غصہ نہ کرے تو وہ گدھا ہے۔ جس کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ راضی نہ ہو تو وہ شیطان ہے"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذین اذا اصابھم البغی　　　وہ لوگ جن سے نافرمانی کی جائے تو وہ اسکی

ھم ینتصرون۔　　　دفع کرنے کیلئے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

اس کی تفسیر میں یہ معنے بتائے گئے ہیں کہ وہ لوگ ذلیل ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے اور جب قدرت پاتے تو معاف کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ما علیہم من سبیل۔
اور بیشک وہ شخص جو ظلم کے بعد بدلہ لے تو اس پر کوئی دار وگیر نہیں ہے۔

اور اس بات کی کوشش کرے کہ غیظ وغضب اپنے نفس کے لیے نہ ہو بلکہ دوسروں کے لئے ہو اور اس میں بھی حق جوئی مطلوب ہو۔ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے نفس کیلئے انتقام نہیں لیا مگر جب کہ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کی ہتکِ حرمت ہو تو اس وقت آپ نے اللہ کیلئے انتقام لیا ہے۔ بعض علماء سے کہا گیا کہ آپ اپنے لئے تو تحمل فرماتے ہیں لیکن اپنے دوست کیلئے نہیں فرماتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میری برداشت اپنے لیے حلم ہے لیکن دوست کیلئے قابلِ ملامت۔

پھر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مذہب (تصوف) کے احوال اور مقامات ہیں، آدابِ اخلاق ہیں اور رخصتیں ہیں اور رخصتیں ادنیٰ درجہ ہیں جس شخص نے ان تمام پر عمل کیا وہ محقق ہے اور جس نے صرف ظاہر پر عمل کیا وہ پابندِ رسوم ہوا۔ اور جس نے رخصتوں کو اختیار کیا وہ صوفیہ کے مشابہ ہوا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ تشبہ اختیار کیا تو وہ ان ہی میں سے ہے اور جس نے کسی قوم کی تعداد بڑھائی وہ ان ہی میں سے ہے اور یہ اسی وقت ہے کہ ان تین اصول پر کاربند ہو جس کے متعلق مشائخ کرام نے اجماع کیا ہے جس شخص نے ان میں سے کسی میں خلل پیدا کیا یا ان میں کسی کا ساتھ چھوڑ دیا تو اس نے احکام مذہب سے خروج کیا اور ان سے عاری ہو گیا؛

(۱) اور وہ فرائض کا ادا کرنا ہے چاہے دشوار ہو یا آسان (۲) اور حرام چیزوں سے اجتناب خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے (۳) اور دنیا کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ دینا کم ہو یا زیادہ۔

بجز اس کے کہ وہ مومن کے لیے لابدی ہو اور وہ وہ ہے جس کو آں حضرتؐ نے مستثنیٰ فرمایا ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ چار چیزیں دنیا میں ایسی ہیں جو دنیا میں شمار نہیں کی جا سکتیں؛

(۱) روٹی کا ٹکڑا جس سے تم اپنی بھوک کو دور کر سکو (۲) کپڑا جس سے تم اپنی ستر پوشی کرتے ہو (۳) گھر جس سے تم سردی اور گرمی سے بچ سکو (۴) اور نیک عورت جس سے تم سکون حاصل کر سکو اسکے سوا جو کچھ ہے اس میں اس کا حق نہیں ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس دنیا میں سوائے گٹھلی چوسنے کے کچھ نہ رہا ہو۔ کیا اس پر تصوف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا: مکاتب (وہ غلام جو مزدوری کرکے ایک مقررہ رقم ادا کرنے کے بعد آزادی حاصل کرتا ہے) جب تک کہ اس پر ایک درم بھی باقی ہے مکاتب ہے۔

جو شخص (مذکورہ بالا اصول کو) اپنے اوپر لازم کرلے تو وہ مذہب صوفیہ کے مبتدیوں میں ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ اس سے آگے بڑھنے کیلئے جد و جہد اور بلند احوال پر ترقی کرنے کی کوشش کرتا رہے تاکہ محققین میں اس کا شمار ہو۔

بعض مشائخ کرام نے فرمایا کہ جس شخص کو مصیبتوں کا جھیلنا شاق گزرے وہ بلند احوال تک ترقی نہیں کر سکتا اور ایسا شخص مردانِ راہِ خدا کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وان لو استقاموا علی الطریقۃ۔ اگر وہ اس طریقہ پر جم جائیں تو ہم ان کو خوب

لاسقیناهم ماءً غدقا۔ پانی پلا کر سیراب کر سکیں گے۔

اور جو شخص ان اصول سے یا ان میں سے بعض سے علیحدگی اختیار کرے اور درجہ رخصت سے بھی گر جائے اور اس کے مذکورہ آداب کو ترک کر دے تو اس نے مذہب صوفیہ کو چھوڑ دیا اور راہ سے دور ہو گیا اس لئے اس کے ساتھ رہنا یا اس کا ساتھ دینا حرام ہے اور جماعت کو چاہئے کہ اس کو اپنے زمرہ سے نکال باہر کرے اور اس کو رسوا کرے اور جو شخص جماعت میں سے کسی چیز میں اس کے ساتھ مداہنت (نرمی) اختیار کرے تو وہ اس کا اس عار میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن یتولهم فانه منهم۔ جو ان سے دوستی کرے تو وہ اُن ہی میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو سچا بنائے اور محققین سے جا ملائے اور ہم کو فحش باتوں سے جو ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں بچائے اور ہم کو رضائے الٰہی پوشیدہ و آشکارا طلب کرنے کی توفیق دے اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں جمع کر دیا ہے اس سے ہم کو اور مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اس کو ہمارے لئے اور جو اس کو دیکھے اس کے لئے وبال نہ بنائے اور ہمارے فائدہ کو صرف جمع کرنے اور حفظ کر لینے کی حد تک محدود نہ رکھے بلکہ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خدائے عزّ اسمہٗ ہم سے قریب اور دعا کو قبول کرنے والا ہے اور آخر میں مستحب امر اللہ کی تعریف ہے جو ایک ہے اور درود ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تمام آل پر۔

تمّت بالخیر

کتبہ: محمّد شریف گل

اشاریہ

* * *